فہرست مضامین

ماہنامہ ــــ الحق ــــ اکوڑہ خٹک

تیئسویں جلد ۲۳

محرم الحرام ۱۴۰۸ھ تا ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ — اکتوبر ۱۹۸۷ء تا ستمبر ۱۹۸۸ء

مضامین کی یہ فہرست موضوعات کے لحاظ سے سلسلہ وار صفحات کے حوالہ سے مرتب کی گئی ہے جو ہر صفحے کے نیچے لکھے ہوئے ہیں فہرست جلد کے آغاز میں لگوا لی جائے ــــ سمیع الحق

نقش آغاز (اداریہ) سمیع الحق

قرآنیات

سنت و سیرت مطہرہ

دعوات عبدیت حق .... شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ

نظام حکومت، فقہ اسلامی، بحث و تمحیص، آئین و قانون

دعوت وارشاد

ایوان بالا میں نظام اسلام کے لئے مساعی
(مولانا سمیع الحق)

حقانیت وصداقت اسلام

فرق باطلہ، رفض، قادیانیت، عیسائیت

عالم اسلام، تاریخ، سیر و سیاحت

جہاد افغانستان

تعلیم و تربیت، تعلیمی ادارے، نصاب و نظام تعلیم

مذہب اور سائنس، معاشیات، مغربی تہذیب، استشراق

ادبیات۔ لسانیات

شخصیات و سوانح

متفرقات۔ افکار و تاثرات

خطوط مشاہیر و اکابر

دارالعلوم کے شب و روز

کتابیات

⁂ ⁂ ⁂

اے۔ بی۔ سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہ دعوۃ الحق

قرآن و سنّت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ **الحق** اکوڑہ خٹک

جلد نمبر ۲۳ - شمارہ نمبر ۱۲
ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
ستمبر ۱۹۸۸ء

فون نمبر ڈائریکٹ ڈائیلنگ
۳۴۰ / ۳۴۱
۴۳۵
کوڈ نمبر ۵۲۳۱۷ -

مدیر
سمیع الحق

بدل اشتراک

پاکستان میں ۴۰/- روپے سالانہ	فی پرچہ ۴ روپے
بیرون ملک ہوائی ڈاک ۶ پونڈ "	ہوائی ڈاک ۱۰ پونڈ

سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔
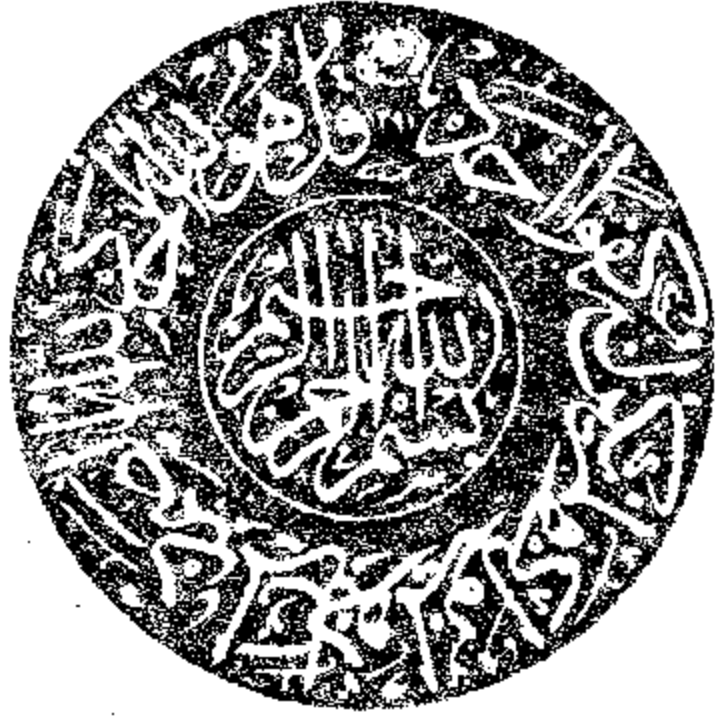
نقش آغاز

صدر ضیاء الحق کی شہادت اور ہماری ذمہ داری

مرحوم صدر جنرل محمد ضیاء الحق کے سانحۂ وفات کے دوسرے روز صبح ۱۸ اگست کو سینیٹ کا تعزیتی اجلاس ہوا۔ اس میں قائد جمعیت مولانا سمیع الحق نے حسب ذیل تعزیتی خطاب فرمایا

مولانا سمیع الحق

بسم اللہ الرحمن الرحیم - کل من علیہا فان و یبقیٰ وجہ ربک ذو الجلال والاکرام

جناب چیئرمین صاحب! موت ایک اٹل حقیقت ہے جس سے کسی کو مفر نہیں۔ لیکن کسی کی موت پورے ملک کے لئے ایک المیہ بن جاتی ہے۔ بے شک ہم ایک قومی المیہ سے دوچار ہوئے ہیں۔ صدر ضیاء الحق مرحوم میں سمجھتا ہوں وہ خوش قسمت تھے۔ عملاً ایک جہاد کی صورت میں انہیں شہادت نصیب ہوئی ہے کیونکہ وہ فوجی مشقوں کو دیکھنے کے لئے گئے تھے۔ گویا ایک اسلامی سلطنت کی سرحدات کی نگرانی کے مشن پر تھے جسے حدیث میں رباط کہا گیا ہے۔ یعنی اسلامی مملکت کی سرحدات کی نگرانی اور اس کے لئے حفاظتی تدابیر، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بڑے فضائل بیان کئے ہیں۔ ایک رات کی رباط ستر سال کی لیلۃ القدر سے بھی بڑھ کر ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کو تو اللہ نے شہادت کا مقام دے دیا۔ بہرحال المیہ قوم کا ہے۔ ہمارے ہاں بلکہ پورے عالم اسلام میں بدقسمتی سے قیادت کا فقدان ہے۔ عالم اسلام کا سب سے بڑا مسئلہ اس وقت قیادت کی کمی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قوم کو بھی جو اس خلا سے دوچار ہوئی ہے اس صدمے کو سہنے اور اس آزمائش سے سرخرو ہو کر نکلنے کی توفیق دے۔

اس وقت ایک عظیم مسئلہ افغانستان کا تھا۔ صدر صاحب سے ہزار اختلافات کے باوجود اس مسئلے میں ہمیں ان سے مکمل اتفاق تھا کہ صدر صاحب کا موقف حق پر ہے۔ انہوں نے اسلام کے جرنیلوں کی تاریخ میں جہاد افغانستان کی شکل میں ایک عظیم سنہری باب کا اضافہ کیا ہے۔ ان کی کوششیں اور مجاہدین کی قربانیاں کامیابی سے ہمکنار ہونے والی تھیں کہ ایسی حالت میں یہ صدمہ آیا۔ اس مسئلے میں حکومت کو پوری توجہ اسی مشن پر مبذول رکھنی چاہیئے۔ جو صدر ضیاء الحق نے شروع کرایا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اسی پالیسی کو جو افغان مسئلے میں صدر صاحب مرحوم نے اختیار کی تھی۔ اسی پالیسی اور

اسی مشن کو حکومت کو سامنے رکھنا چاہیئے اگر عالمی سازشیں خدانخواستہ اس شکل میں اس کامیابی کو خطرات سے ہمکنار کرنا چاہتی ہیں اور اس ادارہ میں غالباً ایسے عناصر کا ہاتھ بھی ہو تو اس کا عملی جواب یہ ہے کہ ہم صدر صاحب کے مشن کو کامیابی سے ہمکنار کریں اور وہاں مجاہدین کو جب تک حکومت قائم کرنے کا حق نہ ملے اس مشن میں اس تسلسل کو برقرار رکھیں۔ صدر صاحب مرحوم ایک ایسے وقت میں گئے ہیں کہ ہم مشرق و مغرب دونوں سرحدات پر انتہائی نازک خطرات سے دوچار ہیں ایسا وقت پوری قوم کے لئے، سیاستدانوں کے لئے، فوج کے لئے بھی اور حکمرانوں کے لئے ایک امتحان ہے۔ کہ ہم اس آزمائش میں مکمل یکجہتی، اتحاد و تنظیم کو برقرار رکھیں اور قومی مفادات کو ترجیح دیا اور وقتی مفادات سے ہٹ کر ملک کی حفاظت و سلامتی پر پوری توجہ مبذول رکھیں۔ خدانخواستہ ایسی حالت میں کوئی افراتفری، ہنگامہ آرائی اور مفادات پر مبنی سیاست اگر سامنے آگئی تو ہم تو پہلے ہی بیرونی خطرات سے دوچار ہیں۔ خدانخواستہ ہماری داخلی کمزوری دشمن کے لئے بہانہ نہ بن جائے۔ قوموں پر ایک امتحان مخالف اور موافق کے لئے ہوتا ہے۔ ایسے وقت میں سارے اختلافات بھول جانے چاہئیں۔ اور کم از کم جب تک ہمیں پورا اطمینان نہ ہو کہ اب ہم خطرات سے نکل چکے ہیں اس وقت تک ہم قومی مفاد کو سب سے پہلے نگاہوں کے سامنے رکھیں۔ ہم ایک نازک امتحان میں آئے ہیں۔ اور قوم کو یہ ثابت کرنا ہے کہ مارشل لا کے بغیر بھی اور فوج کی چھتری کے بغیر بھی ہم آزمائش کی گھڑیوں میں سرخرو ہو سکتے ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ فوج نے نہایت تدبر، عاقبت اندیشی اور دور اندیشی کا مظاہرہ کیا ہے۔ ورنہ رات فوج چاہتی تو پورے ملک کو کنٹرول میں لے سکتی تھی۔ مجھے آخری وقت تک کھٹکا تھا۔ مجھ سے اخبار والوں نے دو تین دفعہ پوچھا کہ صبح اجلاس ہوگا یا نہیں۔ میں نے کہا اگر سینیٹ رہا تو؟ تو خدانخواستہ اگر ایسا اقدام ہوا ہوتا تو وہ اس ملک کو تباہی سے دوچار کر دیتا۔

تو کابینہ اور جرنیلوں نے بیٹھ کر نہایت متوازن فیصلہ کیا۔ دور اندیشی کا مظاہرہ کیا ہے۔ امید ہے کہ آج فوج پوری توجہ ملک کی سرحدات کی حفاظت پر مبذول رکھے گی اور اس موقع پر سیاستدان ثابت کر دیں گے کہ ہم فوج کے بغیر اور مارشل لا کے بغیر ملک کے نظم و نسق کو چلا سکتے ہیں۔

صدر صاحب کے اسلام کے بارے میں جو جذبات تھے، احساسات تھے اور اعلانات تھے تو آج وہ رہ رہ کر ہمیں یہ خیال آتا ہے اور افسوس ہوتا ہے کہ کاش! وہ اپنے جذبات اور احساسات کو جو اسلام کے بارے میں تھے، کو عملی شکل بھی دے سکتے۔ وہ اگر چاہتے تو اللہ نے ان کو گیارہ سال کا ایک عظیم موقع دیا تھا، یہ بہت طویل مدت ہے میں نے تنہائی میں اور دوسرے لوگوں نے بھی بارہا ان کو ہر طریقے سے کہا کہ اللہ کے دیئے گئے اس موقع کو،

اس نعمت کو آپ ﷲ استعمال کریں۔ آپ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرکے، جرأت مومنانہ سے کام لے کر جو بھی کرنا ہے وہ عملاً کر دکھائیں اور اس قوم کو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچائیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ ان کے جذبات تھے انہوں نے میرے سوال کے جواب میں اپنے دل کے اوپر ہاتھ رکھ کر مجھے کہا۔ کہ مولانا مجھ میں جرأت مومنانہ الحمدللہ ہے۔ میں نے کہا کہ ہے تو اسے اللہ اور بڑھا دے لیکن آپ اس کو استعمال کریں۔
بہرحال ایک سنہری موقع جو ان کے ہاتھ آیا تھا اس سے انہوں نے اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں صحیح فائدہ نہیں اٹھایا۔ ورنہ آج تاریخ میں ان کا مقام عمر بن عبدالعزیزؒ اور اورنگزیب عالمگیر سے کم نہ ہوتا۔

ہمیں یہ حادثہ سبق دیتا ہے کہ اللہ کی طرف سے جو بھی نعمت اور موقع ملتا ہے اس کی قدر کرنی چاہیئے اس کی شکر گذاری یہی ہے کہ جس مقصد کے لیئے اللہ نے ذرائع دیئے وسائل دیئے ہیں اسباب دیئے ہیں اس کو اسی مقصد میں استعمال کیا جائے ہمارے سامنے دو سانحے آئے ہیں ایک قومی اسمبلی کے توڑنے کی شکل میں اور دوسرا اس المناک سانحہ کی شکل میں ان دونوں سے حکومت کو اور سینٹ کو اور پوری انتظامیہ کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے یہ عبرت کا سامان ہے اس سے نصیحت حاصل کرنی چاہیئے کہ اللہ جو موقع دیتا ہے اسے اگر انسان گنوا بیٹھے تو بعد میں افسوس اور پچھتاوے سے کچھ نہیں ہوتا۔ بہرحال ان کا دور اس ملک کے لئے بحیثیت مجموعی ایک شرافت کا دور تھا وہ ایک شریف النفس سیاستدان تھے۔ وہ ایک متواضع انسان تھے آج ہم اور پوری قوم ان کی جدائی کے سوگ میں شریک ہیں ان کا ہم پر حق ہے کہ ہم ان کیلئے دعائے مغفرت کریں اور ان جرنیلوں اور ملک کے سپاہیوں کو جو ان کے ساتھ اس سانحہ میں شہید ہوئے ہیں ان کے لئے بھی دعائے مغفرت کریں۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہمارے ہی اس ایوان سے جو گویا کہ اس گھر کا ایک ممبر تھا (چیئرمین غلام اسحاق خان کی طرف اشارہ ہے) ہماری ہی برادری سے جس کا تعلق تھا آج ان کو اللہ تعالیٰ نے زمام اقتدار دیا ہے۔ وہ ایک منجھے ہوئے اور سنجیدہ و تجربہ کار اور متحمل سیاستدان بھی ہیں اور ان کی شخصیت ایسی ہے کہ ان کو تمام چیزوں کا تجربہ حاصل ہو چکا ہے۔ قوم کے مسائل اور حالات پر ان کی نظر ہے۔ ملک میں جو مسائل ہیں تین سال (سینٹ) میں مسلسل ان کی نشاندہی کرائی گئی ہے۔ امید ہے کہ وہ ان تمام چیزوں کو نگاہ میں رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی غیبی مدد فرمائے۔ اور ان کو توفیق دے کہ جمہوری طریقے سے، آئینی تقاضوں کے مطابق اس ملک کو ان بحرانوں سے نکال سکیں اور ملک کو صحیح جمہوریت دے سکیں +

---

۱۹ اگست بروز جمعہ جامع مسجد دارالعلوم میں مولانا سمیع الحق مدظلہ نے اپنے خطبہ جمعہ کے اختتام پر بہاولپور کے المناک حادثہ کے بارے میں مختصراً اظہار خیال کیا جس سے اس مسئلہ کے دیگر کئی پہلوؤں پر بھی روشنی پڑتی ہے لہذا سے بھی ٹیپ کی مدد سے پیش کیا جا رہا ہے

حضرات علماء کرام، اور طلبہ عزیز اور مسلمان بھائیو! نماز کے بعد بڑی عاجزی، انکساری اور توجہ و الحاح کے ساتھ ملک کی سلامتی، بقا، خیر خواہی اور بھلائی کے لئے اجتماعی طور پر دعا کریں کہ ملک کی حفاظت تمام مسلمانوں کا فریضہ ہے اس وقت ملک ایک بہت نازک آزمائش میں ہے اور ملک کے اہم نازک موڑ پر اچانک ایسا حادثہ پیش آیا کہ دشمن بھی اس کا تصور نہیں کر سکتے تھے، سیاسی مخالفین بھی حیرت و اضطراب اور پریشانی میں ہیں۔ ہمارے لئے سب سے بڑا اور اور عظیم مسئلہ جو خطرہ کا نظر آتا ہے وہ جہاد افغانستان کی تکمیل اور افغانستان کی آزادی اور وہاں اسلامی حکومت کے قیام کا مسئلہ ہے۔ افغان مجاہدین نے بڑی قربانیوں کے ساتھ، دنیا کی سب سے بڑی ظالم اور جابر طاقت کو شکست دے دی۔ ۱۶ لاکھ افراد اللہ کے راستے میں قربان اور شہید ہوئے ۵۰ لاکھ مسلمان اس ملک میں دربدر، ریگستانوں میں اور آسمان کی نیلی چھت تلے، مہاجرت اور مسافرت کی زندگی گذار رہے ہیں۔ جناب صدر ضیاء الحق مرحوم کے ساتھ ہزارہا اختلافات کے باوجود اور کئی سال سے ملک کے اندر نفاذ شریعت کے معاملہ میں ان سے جھگڑے اور نزاع کے باوجود مسئلہ افغانستان میں ان کے مؤقف اور استقامت کی ہم نے بھرپور تائید اور حمایت کی اور اسے اپنا دینی فرض سمجھا۔ ہماری مروجہ سیاست کے فروغ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ نہ ہم مغرب کی لادینی جمہوریت کے فروغ کے لئے صدر مرحوم سے جھگڑ رہے تھے اور نہ ضیاء الحق مرحوم سے ہماری لڑائی اس لئے تھی کہ وہ چلا جائے اور بے نظیر یا کوئی اور برسر اقتدار آجائے۔ ان چہروں کی تبدیلی ہمارے مسئلے حل نہیں ہوئے تھے اور قوم و ملک لئے کوئی مفاد کی بات نہیں تھی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا ہماری لڑائی صدر ضیاء الحق مرحوم سے اس بات پر تھی اور ہم نے بارہا اس پر واضح کر دیا تھا کہ جناب! اللہ نے آپ کو بڑی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ اور اللہ نے اقتدار کی صورت میں آپ کو موقع بخشا ہے بے پناہ وسائل اور قوت بخشی ہے اسے تم شریعت کے نفاذ میں استعمال کر کے ملک میں صحیح معنوں میں کلیتہً نفاذ شریعت کا اعلان کر دیں کہ مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے لادین سیاستدانوں، مفاد پرست طبقات اور ظالم اور خود غرض لیڈروں سے نجات مل جائے۔

وہ مسلسل اسلام کی آواز بلند کرتے رہے۔ جذبات بھی ان کے یہی تھے۔ احساسات بھی تھے، مگر شومئی قسمت

کہ ان کے ہاتھ سے نفاذِ اسلام کا مرحلہ تکمیل تک نہ پہنچ سکا۔ میں نے کل سینیٹ میں بھی اپنی تقریر میں یہی کہا کہ اللہ نے اس کو بڑا موقع بخشا تھا اور پھر بظاہر اپنے دعاوی، اعلانات اور جذبات اور اسلامی فکر کے لحاظ سے یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ ان کے ہاتھوں قوم منزلِ مقصود تک پہنچ سکے گی۔ ان کی باتیں اسلام کی محبت سے بھرپور اور جذباتِ اسلام سے معمور ہوا کرتے تھے۔ ان کے دل میں درد تھا، تڑپ تھی۔ شب و روز ان کا یہی ورد تھا۔ مگر اب خدا ہی جانتا ہے کہ ان کے لئے کیا موانعات تھے؟ کیا کیا اور کون کون سی رکاوٹیں تھیں؟ کاش! کہ ملک میں مکمل نفاذِ شریعت کی سعادت بھی ان کی قسمت میں لکھی ہوتی۔ اگر ایسا ہو جاتا تو ایک بے مثال مقام اسے حاصل ہوتا اور ملک کو ہمیشہ کے لئے بے دینی اور بیشیہ ور سیاستدانوں سے نجات مل جاتی۔

مگر یہ اللہ کو منظور نہ تھا ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

بہرحال ملکی حالات اور نفاذِ شریعت کا مسئلہ تو ہمارے اپنے ملک اور اپنے گھر کی بات تھی اس مسئلے پر ہم نے ان سے لڑائی لڑی، مطالبے کئے، تحریکیں چلائیں، سیاسی دباؤ ڈالا۔ جس کے نتیجے میں مرحوم کوئی قدم اٹھا بھی لیتے، کچھ اقدامات کر بھی لیتے گو کہ وہ ناقص ہوتے اور اصلاح طلب بھی۔ ہم نے سات اپریل ۸۸ء کو جمعیۃ علماء اسلام کے زیرِ اہتمام صدر ضیاء الحق مرحوم کے پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کے دوران اسمبلی کے گیٹ کے سامنے احتجاجی مظاہرہ کیا تھا۔ نفاذِ شریعت کا مطالبہ کیا تھا اور کتبے لگائے تھے اور ان پر لکھا تھا۔ "شریعت بل منظور کرو اور منافقت چھوڑ دو"۔ "شریعت بل سے اعراض و انکار کر کے خدا کے غضب کو دعوت نہ دو"

اور پھر جب صدر مرحوم اسمبلی گیٹ کے سامنے آئے تو میں نے ان کتبات کا ہار بن کر صدر ضیاء الحق کے سامنے اڑ گئے اخبارات میں اس کی تفصیلات آئیں اور الحمدللہ کہ اس میں نے کوئی لچک اور کوئی مداہنت نہیں کی اور اپنی لڑائی احسن طریقہ سے جاری رکھی۔

مگر ایک دوسرا مسئلہ جو عظیم مسئلہ اور تمام امتِ مسلمہ کی اہمیت کا مسئلہ ہے، وہ مسئلہ افغانستان ہے۔ مسئلہ افغانستان میں ہم شرحِ صدر کے ساتھ پہلے روز سے صدر مرحوم کو حق پہ سمجھتے تھے۔ مسئلہ افغانستان اور اس کے تمام پہلوؤں کو ملحوظ رکھ کر آج تمام عالمی طاقتوں کو اس بات کا اعتراف ہے، تمام دوست اور دشمن اس بات کے قائل ہیں کہ اس مسئلے کی کامیابی اور مقصد سے ہمکناری کا سہرا افغان مجاہدین اور مرحوم صدر ضیاء کے سر ہے اس تمام گاڑی کے ڈرائیور وہی تھے۔

اور ہمیں معلوم ہے کہ دنیا کی بڑی طاقتیں اس مسئلہ میں انہیں کس طرح دباؤ اور خوف میں رکھے ہوئے تھیں مگر مرحوم صدر نے اس مسئلہ میں تمام امور کو داؤ پر لگا دیا تھا۔ کل مجھے مرحوم ضیاء الحق کے ایک قریبی معتمد سیکریٹری نے رو رو کر بتایا اور کہا کہ صدر صاحب کے ساتھ میں ایک غیر ملکی دورے میں شریک تھا تو اس وقت روس کی ایک ذمہ دار شخصیت نے لب و لہجہ

بدل کر صدر مرحوم سے کہا کہ ہمارے اس علاقہ میں جو عزائم اور مقاصد ہیں ہم خوب سمجھتے ہیں ان کی تکمیل اور تحصیل میں آپ ہمارے لئے سب سے بڑی رکاوٹ بنے ہوئے ہیں ۔ ہم نے ہر طریقہ استعمال کیا، مگر آپ کا علاج ہمارے پاس نہیں۔ اگر آپ نے اپنی پالیسی نہ بدلی اور لچک پیدا نہ کی تو آپ کو اس طرح اچک لیا جائے گا کہ کسی کو خبر بھی نہ ہو گی۔

تو اس موقعہ پر صدر ضیاء مرحوم نے بڑے اطمینان سے اسے جواب میں کہا۔ دیکھو میں مومن اور مسلمان ہوں اور بحیثیت مسلمان میرا اللہ کی ذات پر یقین ہے کہ میری جان اسی کے قبضہ میں ہے ۔ میری موت وحیات کے وہی مالک ہیں۔ اگر تم لوگ میری ایک ایک بوٹی کر کے فضا میں بکھیر دو تب بھی اس مسئلہ میں میں ہرگز نہیں جھکوں گا۔

وہ شخص یہ بات بیان کرتے جاتے اور اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے رو رہے تھے۔

دو تین ماہ سے روس اس قسم کی باتیں کر رہا تھا اور اس کی جانب سے دھمکی آمیز خبریں آرہی تھیں۔ منزل قریب تھی ۔ روس کے تمام عزائم، مقاصد اور سکیمیں ناکام ہو رہی تھیں۔ مجاہدین نے بڑی تیزی اور پامردی سے اپنے حملوں کی یلغار کر دی۔ مرحوم صدر ضیاء الحق جنیوا معاہدہ کے اول روز سے موجودہ شکل میں مخالف تھے۔ وہ مجاہدین کے بغیر ایسے معاہدہ کے لئے ہرگز تیار نہ تھے۔ مگر نام نہاد جمہوریت یہاں پر بھی وہ کام کر گئی جو مسلمانوں کی حریت اور جوش جہاد پر ایک کاری ضرب تھی۔ جب جمہوری دور آیا تو اس وقت کے وزیر اعظم محمد خان جونیجو پر ہم نے ساری حقیقتیں واضح کر دیں تمام پہلوؤں سے آگاہ کر دیا۔ کہ روس اور امریکہ دونوں افغانستان میں مجاہدین کی اسلامی حکومت کے مخالف ہیں۔ وہاں کی حکومت اور مستقبل کی آزاد اسلامی ریاست مجاہدین کا حق ہے۔ ان کی شرکت اور رضامندی کے بغیر کوئی معاہدہ، معاہدہ نہیں۔ لیکن وزیر اعظم نے ساری باتیں پس پشت ڈال دیں۔ اور جنیوا معاہدے پر دستخط کر دئے۔ جناب جونیجو صاحب کی شکست اور ان کی حکومت کی ناکامی اور برخواستگی کی ایک باطنی وجہ یہی ہے کہ اس نے مجاہدین کی قربانیوں اور خونِ شہیداں سے تمسخر کھیلنا چاہا۔

ماہ دو ماہ سے روس نے واضح طور پر صدر ضیاء مرحوم اور حکومت پاکستان کو وارننگ دی تھی کہ اگر پاکستان اپنی پالیسی تبدیل نہیں کرتا اور مہاجرین کی مدد ترک نہیں کرتا تو ہم پاکستان کی اعلیٰ شخصیات کو نشانہ بنائیں گے ۔ اس وارننگ کے بعد، صدر مرحوم کے قریبی رفقاء نے ان سے واضح طور پر یہ کہہ دیا تھا کہ ان دھمکیوں کے بعد اب عام سفر بند کر دیں۔ ہر قدم حزم و احتیاط سے اٹھائیں۔

مرحوم صدر نے اس وقت بھی یہی کہا کہ تم کیسے مسلمان ہو کہ ایسی باتیں کرتے ہو۔ جو گولی میرے مقدر میں لکھی ہے وہ ضرور مجھے لگے گی۔ بہرحال ایسے حالات میں کہ جب جہاد افغانستان میں مسلمانوں کی قربانیاں ٹھکانے لگ رہی تھیں تو تمام ارباب بصیرت اور اہل دانش کی رائے یہی ہے کہ اس جہاد افغانستان کی پاداش میں مرحوم صدر ضیاء الحق کو سازش کے ذریعہ قتل کرا دیا گیا، تاکہ جہاد سرد پڑ جائے اور کامیابی سے ہمکنار ہونے والے مجاہدین کی یلغار روکی جا سکے۔

بہرحال مرحوم صدر نے مسئلہ افغانستان میں ملت مسلمہ کا سرِ فخر اونچا کر دیا ہے۔ اس نے دنیا کی ایک بڑی سپر

طاقت اور روس جیسی ظالم طاقت کو مجبور کر دیا کہ آج وہ پسپائی کر رہی ہے۔ ہماری عظمت رفتہ جو بنگال میں برباد ہوئی تھی الحمد للہ آج جہاد افغانستان میں وہ دوبارہ بحال ہوگئی۔

جہاد کی کامیابی کا سہرا مجاہدین اور صدر ضیاء مرحوم کے سر ہے۔ آج پریشانی کا مسئلہ یہ ہے کہ یہ ایسے حالات حادثہ پیش ہوا کہ اس مسئلہ میں ان کا متبادل بظاہر کوئی دوسرا انتظام نہیں ہے۔ قحط الرجال ہے، خلا ہے۔ آج تمام مسلمان سربراہوں کا اپنے ذاتی کردار وعمل کے لحاظ سے اتنا وزن نہیں ہے اور وہ ایمانی قوت اور خالص اسلامی زندگی نہیں ہے مرحوم صدر نومسلمانوں کے صف اول کے ایک رہنما تھے۔ شاہ فیصل مرحوم جب امت مسلمہ کے اتحاد اور اس کی ترقی کے فکروغم میں شب وروز لگے رہتے تو اسے راستے سے ہٹا لیا گیا اور آج ایسے حالات میں جب مسئلہ افغانستان کامیابی سے ہمکنار ہونے والا تھا تو ضیاء مرحوم کو راستے سے ہٹا دیا گیا۔ اور پھر ہمارے ملک میں تو قحط ہی قحط ہے۔ ڈیڑھ اینٹ کی مسجدیں سب نے بنا رکھی ہیں۔ کفر، بے حیائی، الحاد اور مخالف اسلام ازموں کے نعرے لگ رہے ہیں۔ ایک دوسرے کی عزت کو لوٹا جا رہا ہے۔ بزرگوں کی داڑھیوں کو نوچا جا رہا ہے ایسے حالات میں ملکی مسائل کے ساتھ ساتھ مسئلہ افغانستان بھی ویسے کا ویسا رہ گیا ہے۔ مگر اللہ سے مایوس نہیں، اللہ تعالیٰ مجاہدین کے خون کو رائیگاں اور ضائع نہیں ہونے دیں گے میرا یقین ہے کہ انشاء اللہ وہاں اسلامی حکومت ضرور قائم ہوگی مگر ظاہری اسباب اور وسائل کی حد تک ملک کے ارباب حل وعقد کے لئے ایک بہت بڑا اور خطرناک اور حساس موڑ آگیا ہے۔

یہ حقائق تو بعد میں سب پر واضح ہوں گے کہ ہمیں کتنا بڑا خسارہ پہنچا۔ مرحوم صدر کے ساتھ ہمارا ملکی سطح پر نفاذ شریعت کے معاملہ میں اختلاف تھا۔ سیاسی جنگ شروع تھی وہ اسلام کا نعرہ لگاتے تو ہم نے عملاً نفاذ شریعت کے لئے اس کے گریبان میں ہاتھ ڈالا کہ اس ملک میں اسلام نافذ کردو۔ (باقی ص ۱۵ پر)

قائد شریعت، محدث کبیر، شیخ الحدیث

حضرت مولانا عبد الحق صاحبؒ کا سانحہ ارتحال

پرچہ پریس جا رہا تھا کہ پون صدی کی تابناکی اور تابندگی کے بعد آفتاب علم وعرفان اور ماہتاب رشد وہدایت غروب ہوگیا۔ یعنی دارالعلوم حقانیہ کے بانی ومہتمم، محدث کبیر استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق صاحبؒ ۲۴ محرم الحرام ۱۴۰۹ ھ مطابق ۷ ستمبر ۱۹۸۸ء کو داغ مفارقت دے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

تفصیلات اگلے شمارہ میں

اللھم اغفرلہ وارحمہ واکرم نزلہ وابدلہ داراً خیراً من دارہ واھلاً خیراً من اھلہ وادخلہ الجنۃ برحمتك یا ارحم الراحمین

افادات :۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ
ضبط :۔ مولانا شوکت علی حقانی فاضل ومدرس دارالعلوم حقانیہ

علوم نبوت کی فضیلت برکات ۔اور۔ ثمرات

جامع مسجد دارالعلوم میں تعلیمی سال کے اختتام پر ختم بخاری شریف کی تقریب منعقد ہوئی۔ حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے اس موقع پر جو مختصر خطاب فرمایا تھا اسے ٹیپ ریکارڈر سے نقل کر کے افادۂ عام کے پیش نظر شریک اشاعت کیا جا رہا ہے! (ادارہ)

محترم بزرگو! آپ حضرات کو معلوم ہے کہ میں اس سال علالت، بیماری، نقاہت اور کمزوری کی وجہ سے کما حقہ آپ کی خدمت کرنے سے محروم ہو گیا ہوں۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے علوم حدیث کی خدمت کے لئے صحت و عافیت سے نوازے۔ اور آپ کو بھی علم نافع نصیب فرمائے۔

محترم بھائیو! یہ علم حدیث سے تعلق بہت بڑی سعادت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرف بخشا ہے۔ اس پرفتن زمانے میں اور مادہ پرستی کے دور میں کہ لوگوں کے دل و دماغ اس فانی اور زائل ہونے والے مال و دولت کے حصول کے لئے پریشان رہتے ہیں۔ دنیا اور دولت کمانے کے لئے دوڑ دھوپ کو مقصود زندگی بنا لیا ہے مگر آپ کو اللہ تعالیٰ نے علوم حدیث حاصل کرنے کی لازوال نعمت سے سرفراز فرمایا۔

احیاء سنت کے ثمرات و نتائج

اللہ کریم اس کے برکات و ثمرات سے بھی سرفراز فرمائے۔ آپ کا یہ علم حدیث میں کمال درجہ محنت مطالعہ بڑی نیک بختی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

نضر اللہ امرأ سمع مقالتی فوعاھا ثم اداھا الخ (الحدیث) — تر و تازہ رکھے اللہ تعالیٰ اس آدمی کو جس نے میری بات سنی، پھر یاد کیا، پھر پہنچایا جیسا کہ سنا تھا۔

نیز ارشاد فرمایا۔ من احیٰ سنتی کان معی فی الجنۃ ۔جس نے میری ایک سنت زندہ کی وہ میرے ساتھ

جنت میں اکٹھا ہو گا۔

طلبہ دین خلفاء رسول ہیں | حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

اللھم ارحم خلفائی — اے اللہ میرے خلفاء پر رحم فرما۔

صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ! آپ کے خلفاء کون ہیں ؟

آپ نے فرمایا، میرے خلفاء وہ ہیں جو احادیث پڑھتے ہیں پھر اس کی اشاعت میں مشغول رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو یہ شغف مبارک بنادے اور پوری امت کے لئے خیر و فلاح کا باعث ہو۔

دارالعلوم حقانیہ کی دارالعلوم دیوبند سے نسبت | محترم بزرگو! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی خصوصی توجہات سے نوازے کہ یہاں دارالعلوم حقانیہ میں جمع ہوئے اور علوم و معارف کی تحصیل و تعلیم کے گراں قدر مشغلہ میں وقت لگانے کی توفیق عطا فرمائی۔

دارالعلوم حقانیہ نے اپنے تعلیمی، تربیتی، تدریسی خدمات، تبلیغی فرائض انجام دینے، خدا کی راہ میں حق گوئی اور حق شناسی کا جذبہ پیدا کرنے، ہر وقت و ہر محاذ میں باطل قوتوں سے ٹکرانے والا بے پناہ ایمانی قوت، ہر فن کی ہر مشکل ترین کتاب میں سیر حاصل بحث و تحمیص حاصل کرانے کی صلاحیت اور استعداد مہیا کرنے میں دارالعلوم دیوبند ہی کے طرز و طریقہ کو اپنا محور بنایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکابر علماء دیوبند بالخصوص حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے اسے " دیوبند ثانی " اور پاکستان کا دیوبند کے لقب سے نوازا ہے۔ خدا تعالیٰ بزرگوں کے حسن ظن کا صحیح استحقاق عطا فرمائے۔ گویا دارالعلوم حقانیہ دارالعلوم دیوبند کا پرتو ہے۔

" درحقیقت یہ شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے فیوض و علوم کے برکات ہیں اور اپنے اساتذہ کی توجہات اور شفقتیں ہیں۔

دارالعلوم کا فیضان عام | محترم بزرگو! بحمد اللہ دارالعلوم حقانیہ نے بھی دارالعلوم دیوبند کی طرح یوم تاسیس سے لے کر آج تک ہزاروں فضلاء، علماء حقانی، مدرسین، مفتیان عظام، مبلغ، بالخصوص مجاہدین فی سبیل اللہ پیدا کئے اور خدا کا فضل ہے اور یہ اس کی خصوصی عنایت ہے کہ آج خدمت دین متین کے جتنے بھی شعبے ہیں اس میں دارالعلوم حقانیہ کو اپنے ابناء کے ہمتوں اور محنتوں کے ذریعہ ایک بہت بڑا مقام ملا ہے۔ تعلیم و تعلم کے میدان میں - دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء کو صف اول میں جگہیں مل رہی ہیں۔

دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں دارالعلوم کے فضلاء بہت بڑی تعداد میں کام کر رہے ہیں اور ملکوں ملکوں پہنچ رہے ہیں تدریسی حلقوں میں پاکستان، افغانستان اور دیگر بیرونی ممالک کے دینی مدارس میں بھی دارالعلوم کے طلبہ بڑی کثرت اور امتیازی طور پر کام کر رہے ہیں۔ اور آج افغانستان کے کارزار میں حق و باطل کے درمیان عظیم جنگ لڑنے اور جہاد فی سبیل اللہ

میں پوری بلند ہمتی اور کمال اخلاص کے ساتھ شریک ہونے والے بھی فضلائے حقانیہ ہیں جن کو بحمداللہ قیادت حاصل ہے جس میں مولوی محمد یونس خالص حقانی اور مولوی جلال الدین حقانی کے نام سرفہرست ہیں۔

دارالعلوم حقانیہ کو اللہ تعالیٰ نے اساتذہ بھی ایسے عطا کئے ہیں جو نہایت قابل، بے حد محنتی اور ہر فن میں مہارت رکھنے والے، متقی، پرہیزگار ہستیاں ہیں اور یہ ہمارے سرپرست ہیں۔ ماہر اساتذہ کا حسین گلدستہ ہے جو اللہ نے دارالعلوم مرحمت فرمایا ہے۔

زریں نصائح محترم بھائیو! حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے دورۂ حدیث کے طلبہ نے نصیحت کرنے کا مطالبہ کیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا۔

"کہ عزت و عظمت اور وقار کی پگڑی آپ کی وجہ سے ہمارے سر پر رکھی گئی ہے۔ یعنی لوگ ہمیں عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں یہ آپ کی برکت ہے۔ تو خدا کے لئے اس پگڑی کو ہمارے سروں سے نہ چھینیں۔ اللہم انی اعوذبک من بعد الکور

تو اگر آپ نے اپنے اوطان اور بلاد میں جاکر کبر و نخوت، بغض و حسد، نازیبا افعال، اقوال اور نامناسب اخلاق کا مظاہرہ کیا تو آپ کی ناشائستہ حرکات، سکنات سے وہی عزت جو ہمیں ملی ہے ختم ہو جائے گی۔ اور اگر آپ تواضع عجز، انکساری، تقویٰ، زہد اور پرہیزگاری اور ایسے اعمال اختیار کریں جو علم کے تقاضے کے مطابق ہوں اور عوام کے ساتھ حسن رابطہ اور اچھے تعلقات کو اپنا معمول بنالیں۔ تو پھر یہ آپ کا نیک نامی کا سبب گا اور اس کی وجہ سے آپ کے مشائخ و اساتذہ دارالعلوم اور دیگر منتظمین کی عزت دوبالا ہوگی۔

<u>بقیہ صد ۱۳</u>

اب ملک کو داخلی اور خارجی خطرات درپیش ہیں۔ روس جس طرح کی باتیں کرتا ہے بھارت بھی وہی بولی بولتا ہے۔ بھارت نے گذشتہ دنوں پاکستان کو پھر سے دھمکیاں دی ہیں کہ وہاں سکھوں کی تحریک اور مزاحمت پاکستان کی شہ پر ہو رہی ہے۔ راجیو گاندھی نے بھی کہا ہے کہ "پاکستان کو میں تلوار کے زور سے درست کردوں گا"

مگر یاد رہے کہ پاکستان کو کوئی ٹیڑھی آنکھ سے بھی نہیں دیکھ سکے گا انشاء اللہ۔ آج ہر طرف سے ہمارے ملک پر یلغار ہے اور ہم گویا چکی کے دو پاٹوں میں ہیں۔ ملکی حالات بڑے نازک ہیں ایسے موقع پر دعا ہی ایک بڑا ہتھیار اور روحانی قوت ہے اور ٹوٹے دلوں کا سہارا۔

اس کے بعد اجتماعی طور پر ۱۷ اگست کو فضائی حادثہ کے تمام شہداء کے لئے دعائے مغفرت اور ملکی استحکام اور تحریک نفاذ شریعت کی کامیابی کے لئے دعا کی گئی۔

مولانا شہاب الدین ندوی

تیسری اور آخری قسط

مذاہب عالم میں تعدد ازدواج کا قانون

اس طرح اب ہندو قوم اپنے مذہب کی اصلاح کی آڑ میں دوسرے مذاہب پر بھی حملہ آور ہونا چاہتی ہے گویا کہ اپنے مذہب کا "تاوان" دوسرے مذاہب پر عائد کرنا چاہتی ہے، مگر ظاہر ہے کہ یہ علمی و اخلاقی اعتبار سے نہ صرف ایک نامعقول اور ناشائستہ حرکت ہوگی، بلکہ خود قانونی اور دستوری اعتبار سے بھی دیگر مذاہب میں، ایک مداخلت تصور کی جائیگی جس کا حکومت یا اس کے اداروں کو کوئی حق حاصل نہیں ہے، بلکہ یہ حرکت "کرے کوئی بھرے کوئی" کا مصداق ثابت ہوگی۔

بہرحال قانون داں اس سلسلے میں مختلف اندازوں سے سوچ رہے ہیں، اب دیکھیے یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے؟ مگر یہ بات تو طے ہے کہ خلافِ فطرت فیصلہ کرنے والوں کو مُنہ کی کھانی پڑیگی، کیونکہ اس کے نتیجے میں جنسی انحرافات کا ایسا سیلاب آئیگا، جو سارے انسانی اقدار (HUMAN VALUES) کو اپنے ساتھ بہالے جائیگا۔

نقص اور تضاد، انسانی قانون کا لازمہ

اصل میں یہ اور اس قسم کے تمام نقائص انسانی قوانین کا لازمہ ہیں، انسان کی عقل محدود اور اس کے تجربات محدود ہیں، لہٰذا وہ کسی چیز کی اچھائی یا برائی کا خود فیصلہ ہرگز نہیں کر سکتا، بلکہ اُسے اس سلسلے میں اس کے خدا کی رہنمائی حاصل کرنا قدم قدم پر ضروری ہے، انسان کے بنائے ہوئے قوانین تو چند دن بھی چل نہیں سکتے۔ مثال کے طور پر خود ۱۹۵۵ء کے ہندو میرج ایکٹ ہی کو لے لیجیے، جس میں موجود نقائص کو دور کرنے کے لئے ۱۹۷۶ء کے قوانین شادی (ترمیمی) ایکٹ ۶۸ کو نافذ کرنا پڑا، مگر اس کے باوجود اب بھی اصلاح کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ مستقبل میں یہ قانون "اصلاح در اصلاح" سے دوچار نہ ہوگا؟

انسانی قانون کا سب سے بڑا لازمہ نقص کے ساتھ ساتھ تضاد (CONTRADICTION) بھی ہے اور اس کا بھرپور نمونہ نفقہ (MAINTENANCE) کے سلسلے میں حکومت ہند کے بنائے ہوئے متعدد قوانین کے درمیان دیکھا جا سکتا ہے، جو یہ ہیں:۔

۱۔ اسپیشل میرج ایکٹ ۱۹۵۴ء ۲۔ ہندو میرج ایکٹ ۱۹۵۵ء

۳۔ ہندو اڈاپشن اینڈ مینٹننس ایکٹ ۱۹۵۶ء۔ ۴۔ کریمنل پروسیجر کوڈ، یعنی ضابطہ فوجداری ۱۹۷۳ء۔

یہ چاروں ایکٹ عدم یکسانیت کے باعث تعارض و تضاد سے بھرپور ہیں کسی میں کچھ ہے تو کسی میں کچھ، اور ان میں قانونی الجھادے اور پیچیدگیاں اس قدر ہیں کہ وہ ایک اچھا خاصہ معمہ یا چیستان معلوم ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ایک قانون داں اپنی مرضی کے مطابق جسطرح چاہے، ان کی تشریح کرسکتا ہے، اگر کسی ایک ایکٹ میں عورت کو اس کا یہ حق "نہ ملے تو اسے کسی دوسرے ایکٹ کے تحت دلوا سکتا ہے۔

چنانچہ اسی قانون کا ایک تضاد ملاحظہ ہو کہ جہاں ایک طرف یہ کہا جاتا ہے کہ طلاق، فسخ (NULLITY) اور ابطال نکاح (ANNULMENT) ان تینوں صورتوں میں عورت بیوی نہیں رہتی اور اُسے نفقہ حاصل کرنے کے لئے دعویٰ کرنے کا کوئی اختیار نہیں رہتا، مگر معاً یہ بھی کہا جاتا ہے، چونکہ عورت کو بے سہارا چھوڑا بھی نہیں جا سکتا، اس وجہ سے اسے مستقل نفقہ دینا ضروری ہوگا۔

In case of divorce, nullity and annulment the marriage is completely ended. In these instances the women is no more a wife and so has no valid claim to maintenance. In order that the women may not be left unprotected, Hindu Marriage Act provides that the relief of permanent maintenance may be granted in case any primary relief is granted under the Act.[38].

---

36. Bagga, V. (Ed) studies in the Hindu Marriage and the Special Marriage Acts. P. 294, Bombay, 1978.
37. The marriage laws (Amendment) Act '1976.
38. Agarwala, Raj Kumari, Matrimonial Remedies under Hindus Law. P. 113, Bombay '1974.

یعنی ایک طرف ایک عورت کا کوئی حق بھی نہیں ہے، مگر دوسری طرف اُسے یہ حق پوری طرح حاصل بھی ہے، معلوم نہیں یہ قانون مطابق عقل کسطرح ہوا ؟

غرض ہندو میرج ایکٹ کا ایک بہت بڑا نقص یہ بھی ہے کہ عورت کے بانجھ یا کسی دائمی مرض میں مبتلا ہونے کے باوجود کسی کو دوسری شادی کرنے کی اجازت نہیں ہے، جیسا کہ قدیم ہندو قانون کے مطابق اس کی اجازت تھی، بلکہ اس صورت میں اسے پہلی بیوی کو طلاق دینی پڑیگی ورنہ دوسری شادی نہیں ہوسکتی اور پھر لطف یہ ہے کہ طلاق دینے کے باوجود اُسے پہلی بیوی سے پوری طرح چھٹکارا بھی نہیں مل سکتا، کیونکہ اُس کے گلے میں "نفقہ کی زنجیر" پڑی رہے گی، یعنی پہلی بیوی کو طلاق دینے کے بعد اُسے عمر بھر نفقہ بھی دینا پڑے گا، اور اس موقع پر قانون کو اس سے کوئی بحث نہیں ہے کہ ایسی بانجھ یا دائم المریض مطلقہ کا حشر — مستقل نفقہ پانے کے باوجود — کیا ہوگا ؟ آیا وہ کسی قریبی عزیز کے نہ ہونیکی صورت میں خود سے ایک "محفوظ" اور باعزت زندگی بسر کر بھی سکیگی یا نہیں ؟ مگر یہ تو صاف ظاہر ہے کہ ایسی "علت زدہ" عورت کی دوسری شادی ہونے سے تو رہی۔ اس لحاظ سے ظاہر ہے کہ ایک کمزور اور ناتواں عورت پر یہ ایک ظلم ہوگا کہ اُسے ایک ناکردہ گناہ کی سزا کے طور پر بالکل بے سہارا چھوڑ دیا جائے یا دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کر دیا جائے۔ آخر اسمیں اس بے چاری عورت کا قصور کیا ہے ؟ اور اُسے کس جرم کی سزا دی جارہی ہے ؟ ظاہر ہے کہ اُس کا بانجھ یا دائم المریض ہونا، اس کا ایک فطری وطبعی نقص ہے، جس میں اس کا اپنا کوئی قصور نہیں ہے تو کیا قانون اتنا ظالم اور بے رحم بھی ہوسکتا ہے کہ کسی عورت کو اس کی نام نہاد "عزت نفس" کے نام پر اسے فٹ پاتھ پر دھکیل دیا جائے ؟ آخر اس میں کونسی معقولیت ہے ؟ یہ عورت کی تکریم نہیں بلکہ اُس کی توہین ہے۔ اگر کوئی شخص ایک "علت زدہ" بیوی کو اپنے ساتھ رکھتے اور اس کی خبر گیری پوری طرح کرتے ہوئے ایک دوسری شادی کرتا ہے تو آخر اس میں برائی کیا ہے ؟ اور ان دونوں کو علیحدہ کرنے میں کونسی دانشمندی ہے ؟ ظاہر ہے کہ اس قسم کا اقدام ایک ایسی مطلقہ کو بدکاری یا جنسی انحراف (SEXUAL DEVIATION) پر مجبور کرسکتا ہے، لہذا یہ ایک مہمل اور غیر معقول قانون ہے جو محض مغرب کی نقالی اور "آزادیٔ نسواں" کی نام نہاد تحریک کے دباؤ اور مرعوبیت کا نتیجہ ہے۔

نیز عصر جدید کا یہ بھی ایک عجیب وغریب تضاد ہے جو سمجھ سے باہر ہے کہ ایک

طرف آزادیٔ نسواں کے علمبردار، جہاں ایک طرف مرد اور عورت کی مکمل مساوات اور برابری کا دعویٰ کرتے ہیں تو دوسری طرف طلاق کی صورت میں عورت کو مرد سے عمر بھر یا تا نکاح ثانی نفقہ بھی دلاتے ہیں. ظاہر ہے کہ اگر عورت ہر اعتبار سے مرد کے برابر ہے تو اس کا مرد سے تعلق منقطع ہو جانے کے بعد نفقہ طلب کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ بلکہ یہ اقدام ثابت کرتا ہے کہ عورت ہرگز مرد کے برابر نہیں ہے، لہذا "ترقی پسند" لوگ ہمیں ذرا بتائیں کہ اس منطق کی آخر کیا معقولیت ہے؟

تعدد ازدواج اور حیلہ سازی

۱۹۵۵ء کے ہندو میرج ایکٹ کے تحت دراصل قدیم ہندو قانون کا حلیہ بگاڑ کر رکھدیا گیا ہے. اب وہ نہ تو صحیح معنی میں ہندو قانون ہے اور نہ ہی اصلاحی قانون. پھر طرفہ یہ کہ اب اس کی حیثیت محض ایک کاغذی قسم کی بن کر رہ گئی ہے جس کا عملی دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ اب ہندو قوم ٹٹی کی آڑ میں بڑی آزادی کے ساتھ شکار کھیل رہی ہے، بالفاظ دیگر چور دروازوں سے حسب معمول تعدد ازدواج کا کاروبار جاری رکھے ہوئے ہے، چنانچہ اس سلسلے میں بعض عجیب وغریب حیلے اور مثالیں ہمارے سامنے آتے ہیں.

۱۹۵۵ء سے پہلے ایسا ہوتا تھا کہ عیسائی لوگ اپنے مذہب کی تنگ دامانی کے باعث نکاح ثانی کے لئے اسلام یا ہندو مذہب اختیار کر لیتے تھے مگر ۱۹۵۵ء کی پابندی کے بعد ہندو لوگ مسلمان بن کر دوسری شادی رچانے پر مجبور ہو گئے ہیں، اس سلسلے کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:-

(۱) ۱۹۰۷ء میں ایک مقامی عیسائی نے (جس کی بیوی زندہ تھی) ایک ہندو عورت سے ہندو رسم ورواج کے مطابق اپنا مذہب تبدیل کئے بغیر شادی کر لی، تو مدراس ہائی کورٹ نے اس کو دوزوجگی (BIGAMY) کا مجرم ٹھہرایا، کیونکہ ایک عیسائی کے لئے دوسری شادی جائز نہیں ہے [۳۹]

(۲) ۱۹۱۰ء میں ایک دوسرے مقدمے میں مدراس ہائی کورٹ نے، ایک عیسائی کے بارے میں جسکی ایک عیسائی بیوی موجود تھی، اس نے ہندو مذہب اختیار کر کے ایک ہندو عورت سے ہندو رسوم کے مطابق شادی کر لی تو یہ فیصلہ دیا کہ وہ دوزوجگی کا مجرم نہیں ہے [۴۰]

۳۹؎، ۴۰؎ دی ہندو میرج اینڈ ... میرج ایکٹ، ص ۲۸۸

(۳) ۱۹۵۰ء کے دہے میں میسور اور مدراس کے ہائی کورٹوں نے فیصلہ دیا کہ ایک ہندو جو عیسائی مذہب اختیار کر چکا ہے، اگر وہ دوسری شادی کرنے کے لیے پھر سے ہندو مذہب اختیار کرے تو وہ انڈین پینل کوڈ کی دفعہ ۴۹۴ کے تحت دو زوجگی کا مجرم نہیں گردانا جائیگا۔ [۴۱]

(۴) ایسے واقعات بھی موجود ہیں جن کے مطابق وہ لوگ جو کثیر زوجگی والے مذاہب سے تعلق رکھتے تھے، انہوں نے انگلینڈ میں یک زوجگی کی رجسٹرڈ شادیاں کیں، پھر ہندوستان واپس آ کر اپنے پرسنل لاء کے مطابق (پہلی شادی کے باقی رہتے ہوئے) دوسری شادی کی [۴۲] ایسے لوگوں کو بھی دو زوجگی کا مجرم نہیں ٹھہرایا گیا۔

(۵) ایک عجیب سی صورت حال اس وقت پیدا ہو جاتی ہے، جب ایک شوہر (پہلی ہندو بیوی کے ہوتے ہوئے) اسلام قبول کر کے اسلامی قانون کے مطابق کسی ایسی ہندو لڑکی سے شادی کر لیتا ہے جو شادی سے پہلے اسلام قبول کر چکی ہو، پھر شادی کے کچھ عرصے بعد وہ دونوں پھر سے ہندو مذہب اختیار کر لیتے ہیں (نتیجہ یہ کہ) دونوں شادیاں باضابطہ طور پر صحیح ہوتے ہوئے بھی شاید وہ ہندو میرج ایکٹ ۱۹۵۵ء کے تحت دو زوجگی کے دائرہ سے باہر ہیں [۴۳]

اس طرح اسلام کے جائز کردہ تعدد ازدواج یا کثیر زوجگی کے علاوہ اس کا قانون طلاق بھی آسان ضوابط پر مشتمل ہے جو دیگر مذاہب کے ضوابط کی طرح انتہائی مشکل اور پیچیدہ نہیں ہے۔ اس لئے غیر مسلموں کو جب کبھی طلاق کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ اپنے مذہب اور قانون کی الجھنوں سے نجات پانے کے لئے اسلامی قانون ہی کو باعثِ رحمت سمجھتے ہوئے یہی نسخہ آزماتے ہیں۔ مثال کے طور پر دیکھئے:

(۶) دو افراد کی شادی ہندو قانون کے مطابق ہوئی تھی (مگر بعد میں کسی وجہ سے) بیوی نے اسلام قبول کر کے ڈسٹرکٹ جج کی عدالت میں (طلاق کا) مقدمہ دائر کر دیا، جس کی وجہ سے یہ شادی مسلم لاء کے مطابق منسوخ کر دی گئی۔ پھر وہ دوبارہ ہندو مذہب میں لوٹ گئی اور ایک (دوسرے) ہندو سے (اپنے پسند کے مطابق) شادی کر لی [۴۴]

---

[۴۱] دی ہندو میرج اینڈ اسپیشل میرج ایکٹ ص ۲۸۹،

[۴۲] ,, ,, ,, ص ۲۹۰

[۴۳، ۴۴] ,, ,, ,, ص ۲۹۴

(۷) کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہندو مرد اور ایک ہندو عورت، جو آپس میں میاں بیوی ہیں اپنے باہمی اختلاف کے باعث ایک دوسرے سے (نہایت سنجیدگی کے ساتھ) علیحدہ ہو جانے ہی میں اپنی عافیت سمجھتے ہیں مگر ان کا مذہب اور قانون انہیں آسانی کے ساتھ جدا ہونے کی اجازت نہیں دیتا، لہٰذا وہ دونوں آپس میں سمجھوتہ کرکے پہلے اسلام قبول کر لیتے ہیں، پھر اسلامی قانون کے مطابق طلاق کے ذریعہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جانے کے بعد پھر دوبارہ ہندو مذہب میں لوٹ آتے ہیں اور اپنی اپنی پسند کی شادی دوبارہ کر لیتے ہیں۔

یہ انسانی فطرت ہے کہ جب اسے کسی جائز چیز سے روک دیا جائے تو وہ دوسرے ذرائع اور حیلوں سے اسے حاصل کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہے، لہٰذا ایک خلاف فطرت قانون بنا کر لوگوں کو اس پر چلانا بہت مشکل کام ہے، یہ فطرت کے خلاف ایک جنگ ہے جو کبھی جیتی نہیں جا سکتی لہٰذا عقل کا تقاضا ہے کہ اس سلسلے میں توازن اور ہوش مندی سے کام لیا جائے، غلط تحریکوں اور پروپیگنڈوں کے دباؤ میں آکر وقت، دماغ اور توانائیوں کو خواہ مخواہ برباد نہ کیا جائے۔

ایک آسان اور باعث رحمت قانون

اس پوری بحث سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی قانون نہ صرف ایک آسان اور ہر ایک کے لئے قابل عمل ضابطہ ہے بلکہ وہ افراط و تفریط یا اونچ نیچ سے عاری ہونے کی وجہ سے پوری دنیا کے لئے رحمت کا باعث بھی بن سکتا ہے چنانچہ دیگر قوموں کا بار بار اسلامی قانون کے دامن میں پناہ لینا (خواہ وہ دینوی مقاصد ہی کیلئے کیوں نہ ہو) یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ ایک مقبول عام اور عالمگیر قانون بننے کی پوری پوری صلاحیت رکھتا ہے، بالفاظِ دیگر وہ سارے عالم کے لئے یکساں مدنی قانون (یونیفارم سول کوڈ) بن سکتا ہے، لہٰذا اگر کوئی یونیفارم سول کوڈ بنانا ہی ہے، تو پھر اسلامی قانون کو اس کے لئے منتخب کرنا چاہیئے کیونکہ دنیا کے تمام عائلی قوانین (FAMILY LAWS) میں یہی ایک واحد قانون ہے جو اپنی آسانی، توازن اور معقولیت کی بناء پر اس کے لئے موزوں تر ہو سکتا ہے، اس کے برعکس دیگر مذاہب اور قوموں کے قوانین اپنی مشکل پسندی، پیچیدگی اور عدم معقولیت کی بناء پر اس کی اہلیت نہیں رکھتے۔

غرض اسلامی قانون کی یہی وہ آسانی اور معقولیت ہے جس کی وجہ سے حاسدین کے سینوں پر سانپ لوٹتے ہیں، لہٰذا وہ اسلامی قانون کے خلاف طرح طرح کے گندے اعتراضات تراش کر اس کی مقبولیت کو گھٹانا یا اس کی راہ میں روڑے اٹکانا چاہتے ہیں، جو محض ایک

سیاسی حربہ اور شعبدہ بازی ہے۔

یہودی، اسلامی اور ہندو شرائع کا اتفاق

خلاصۂ بحث کے طور پر دو باتیں پوری صراحت کے ساتھ ہمارے سامنے آتی ہیں: ایک یہ کہ اسلام واحد مذہب نہیں ہے جس نے ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت دی ہو بلکہ قدیم و جدید دنیا کے اکثر و بیشتر مذاہب اور تقریباً تمام قوموں میں اس کا رواج رہا ہے اور جیسا کہ MURDOCK (۱۹۴۹ء) کے حوالہ سے گزر چکا، آج بھی دنیا کے ۵۵۴ معاشروں میں سے ۴۱۵ میں اس کا رواج پایا جاتا ہے اور دوم یہ کہ مسلمان باوجود قانونی و شرعی اجازت کے آج بھی عموماً یک زوجگی ہی کے پابند ہیں، لہٰذا مسلمانوں کے خلاف اس سلسلے میں کیا جانے والا پروپیگنڈہ ایک سیاسی کرتب (STUNT) اور مغالطہ آرائی ہے۔

نیز اس بحث سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ جسطرح یہودی اور اسلامی شریعتیں تعدّد ازدواج کے جواز پر متفق ہیں، بالکل اسی طرح قدیم ہندو قانون و شریعت بھی اس کی مؤیّد ہے اس طرح یہ تینوں شریعتیں اس باب میں متفق اللفظ ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان میں بعض جزئی اختلافات بھی پائے جاتے ہیں، مگر جہاں تک نفس جواز کا تعلق ہے، اس میں اُصولی طور پر کوئی اختلاف نہیں ہے، لہٰذا عیسائیوں اور انکی متابعت میں مغرب پرستوں نیز مغرب پرست ہندوؤں کو اعتراض کا کوئی حق نہیں ہے اور جیسا کہ اگلے مباحث سے ظاہر ہوگا عیسائی دنیا اس باب میں بڑے تذبذب کے عالم میں ہے، بلکہ دوغلی پالیسی پر کاربند دکھائی دیتی ہے اور جہاں تک موجودہ مغرب پرست ہندوؤں کا تعلق ہے تو ان کی تعدّد ازدواج پر پابندی عائد کرنے کی کوششیں سوائے قلابازیاں کھانے کے اور کچھ بھی نہیں ہے اور اس اقدام میں سوائے ناکامی کے انہیں کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ خدائی شریعت ہے جسکو بدلنے کا نتیجہ سوائے تباہی و بربادی —— جنسی انارکی اور لاقانونیت —— کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ خلّاق عالم اپنی مخلوقات اور ان کے طبائع و مصالح کا علم زیادہ بہتر طور پر رکھتا ہے اور انسان اپنے ناقص علم و تجربے کی بناء پر خیر و شر کے درمیان کوئی حدِ فاصل قائم نہیں کر سکتا، بلکہ عین ممکن ہے کہ وہ جس کو "شر" سمجھ کر نظر انداز کر رہا ہے، وہ مجموعی اعتبار سے عین "خیر" ہو اور اسی طرح جس چیز کو وہ خیر سمجھ کر اختیار کر رہا ہے، وہ عین شر قرار پائے، چنانچہ اس کا مشاہدہ، جدید دنیا کے سرعت کے ساتھ بدلتے ہوئے عائلی قوانین..

(FAMILY LAW) کے مطالعہ و مشاہدہ سے بخوبی ہو جاتا ہے جن میں خود ہندوستان کے بدلتے ہوئے فیملی قوانین اور کوڈ بھی شامل ہیں۔ چنانچہ آج ایک قانون کو بہتر سمجھ کر اختیار کیا جاتا ہے تو کل اس کو ناکارہ تصوّر کر کے ردّ کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح آج جس قانون کو ناکارہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا تھا، وہ کل نہایت درجہ موزوں نظر آنے لگتا ہے، اس طرح انسان مسلسل تجرباتی و ارتقائی دور سے گزر رہا ہے اور اس باب میں وہ اب تک کسی "ٹھہراؤ" یا "ثابت منزل" سے آشنا نہیں ہو سکا ہے۔

مگر اس کے برعکس یہ ایک حیرت انگیز حقیقت ہے کہ اسلامی قانون چودہ سو سال سے لیکر آج تک کسی قسم کے تزلزل یا ارتقاء سے ناآشنا ہوتے ہوئے بالکل تازہ دم نظر آرہا ہے، گویا کہ وہ ابھی ابھی نازل ہوا ہے۔ یہ رسولِ اُمّی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اعجاز اور اسلام کی صداقت و برتری کی ناقابلِ تردید دلیل ہے کہ آج دنیا کی تمام متمدّن قومیں شعوری یا غیر شعوری طور پر آہستہ آہستہ اسلامی قوانین کی ضرورت و اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے انہیں کسی نہ کسی شکل میں قبول کرنے پر مجبور نظر آرہی ہیں۔

اس اعتبار سے اہلِ ہند کو بھی ایک نہ ایک دن اسلامی قانون کو قبول کرنے پر مجبور ہونا پڑیگا، چنانچہ اس سلسلے میں ایک خوش آئند پہلو یہ ہے کہ ۱۹۵۵ء کے ہندو میرج ایکٹ میں طلاق وغیرہ کے سلسلے میں جو سختیاں موجود تھیں، انہیں ۱۹۷۶ء کے ترمیمی ایکٹ کے ذریعہ بہت بڑی حد تک کم کر دیا گیا ہے، جو دراصل اسلامی قانون ہی کی طرف ایک "پیش رفت" ہے، اگرچہ اسلامی قانون کو پوری طرح اختیار نہیں کیا گیا ہے مگر بتدریج ہندو قانون اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ یہی حال مغربی دنیا کا بھی ہے کہ قدیم عیسائیت میں طلاق کے سلسلے میں جو سختیاں موجود تھیں، وہ جدید قوانین میں کافی حد تک "نرم" کر دی گئی ہیں[۵]، لہٰذا عصرِ جدید کا یہ بھی ایک بہت بڑا تضاد ہے کہ وہ ایک طرف اسلامی قوانین سے استفادہ بھی کر رہا ہے، تو دوسری طرف اسے بُرا بھلا بھی کہہ رہا ہے۔ اس دو رنگی کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟ یہ فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے۔

---

[۵] اس موضوع پر ایک کتاب "طلاق، اسلام اور عائلی قوانین" زیرِ تکمیل ہے جو انشاء اللہ بہت جلد آپ کی خدمت میں پیش کی جائیگی۔

محفوظ قابلِ اعتماد مستعد بندرگاہ

بندرگاہ کراچی

جہازرانوں کی جنت
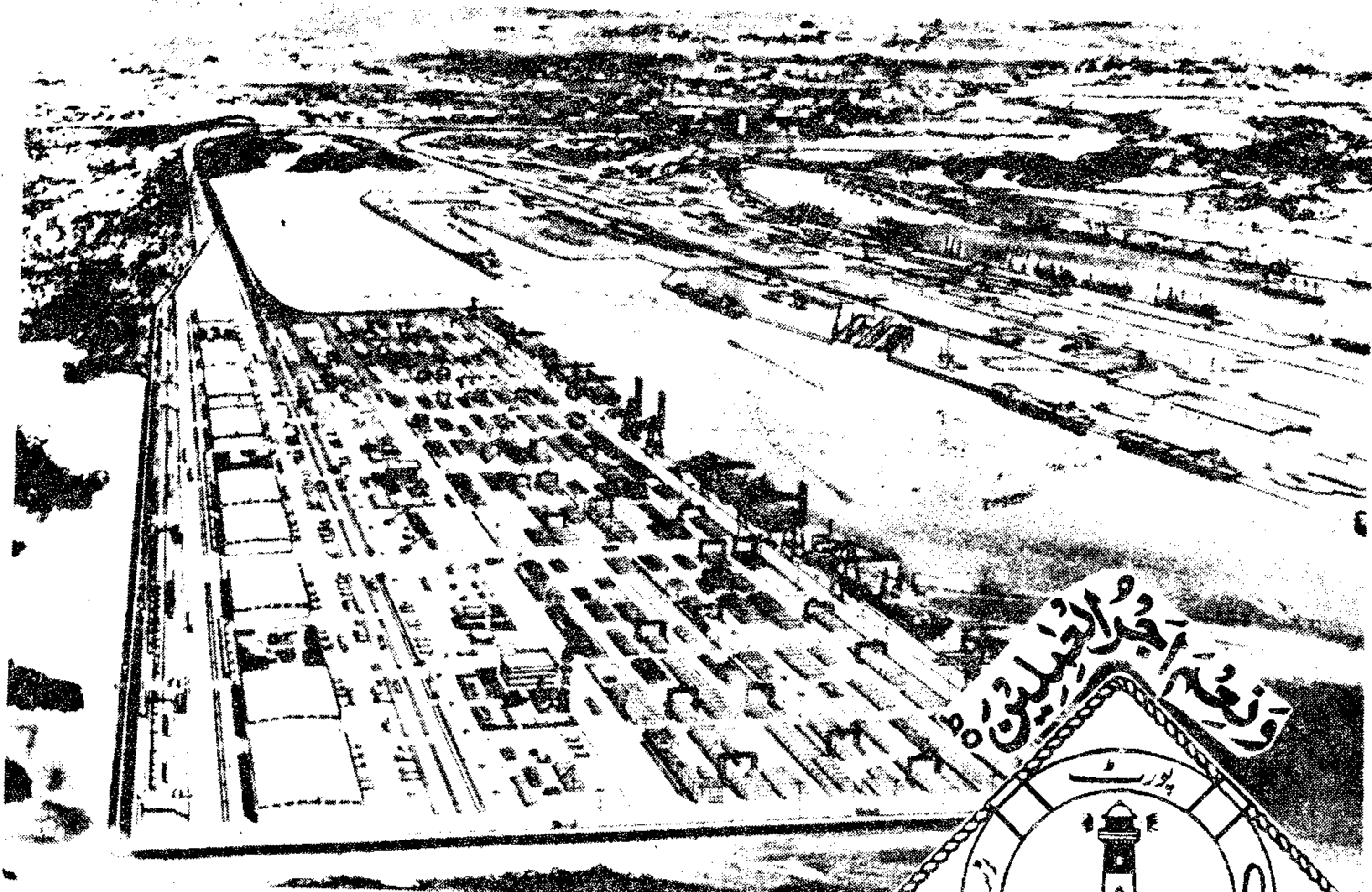
بندرگاہ کی خدمات کے جدید انداز کے ساتھ
عالمی تجارت کے لئے پُرکشش
پاکستانی معیشت کی تعمیر کے لئے کوشاں

ہماری کامیابیوں کی بنیاد

- انجینیرنگ میں کمالِ فن
- مستعد خدمات
- جدید ٹیکنالوجی
- باکفایت اخراجات
- مسلسل محنت

۲۱ ویں صدی کی جانب رواں

بمع

جدید مربوط کنٹینر ٹرمینلز
نئے میرین پروڈکٹس ٹرمینل
بندرگاہ کراچی ترقی کی جانب رواں

KPT 4 88 PID - Islamabad

جناب ثناء الحق صدیقی (کراچی)

حضرت شیخ الاسلام رح کے محاسنِ اخلاق

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حُسنِ تو بسیار

دہلی میں شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رح "حیات اور کارنامے" کے موضوع پر ۱۸، ۱۹ رمارچ ۱۹۹۰ء کو سیمنار منعقد ہوا، ذیل کا مقالہ اسی میں پڑھا گیا، جو اب خصوصیت سے قارئینِ الحق کے لیے پیش خدمت ہے۔ (ادارہ)

اگرچہ ہمیں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیکھنے کی سعادت نصیب نہیں ہوئی، تاہم جب شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رح کی ذات پر غور کرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ اُن کی پاک و مقدس زندگیاں کچھ ایسی ہوں گی جن کا ایک ہلکا سا پرتو ہمیں حضرت شیخ الاسلام رح کے وجود میں دکھائی دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت شیخ الاسلام رح کی ذات اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی۔ وہی صحابۂ کرام رض کی سی مجاہدانہ زندگی، شریعتِ مطہرہ کی پاسداری، سادگی و بےنفسی، ایثار و قربانی اور تقدس و تقویٰ اُن کی ہستی میں نظر آتی ہے انہوں نے ایسے ماحول اور حالات میں رہ کر ان خوبیوں کو نبھایا جب دُنیا ایک طاغوتی نظام کے زیرِ اثر تھی، ہر طرف مخالفتوں کی آندھیاں چل رہی تھیں اور حضرت شیخ الاسلام رح کو کم ظرفوں اور بدتوفیقوں کا سامنا تھا۔

آپ میں آثارِ سعادت بچپن ہی سے ہویدا تھے، اس میں زیادہ اثر تو آپ کی نیک سرشت اور فطری نیکی کا تھا، لیکن کچھ حصہ گھر کے ماحول اور والدین کی تربیت کا بھی تھا۔

حضرت شیخ الاسلام رح ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد بزرگوار مولانا حبیب اللہ پیشہ کے اعتبار سے مدرس تھے لیکن دینی اور روحانی اعتبار سے نہایت بلند مرتبہ بزرگ تھے۔ وہ مولینا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی رح کے خلیفۂ مجاز ہونے کے ساتھ ساتھ مستجاب الدعوات تھے۔ وقت کا بڑا حصہ ذکر و شغل اور تسبیح و تہلیل میں گذرتا تھا۔ اسی طرح حضرت شیخ رح کی والدہ ماجدہ بھی پابندِ شریعت، زاہدہ و عابدہ،

اور بڑی صابرہ اور قانع خاتون تھیں ۔

حضرت شیخ الاسلامؒ تین سال کے تھے کہ آپ کے والدِ محترم مولانا حبیب اللہ صاحبؒ ملازمت سے سبکدوش ہو کر اور پنشن لے کر اپنے وطن ٹانڈہ آ گئے ۔ آپ نے اُن سے ابتدائی تعلیم حاصل کی ۔ جب تیرہ برس کا سن ہُوا تو آپ کو دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیج دیا گیا ۔ وہاں آپ براہِ راست حضرت شیخ الہندؒ کے زیرِ تربیت آ گئے ۔ گویا اسلامی علوم اور اسلامی اخلاق کے سرچشمہ سے آپ کو سیراب ہونے کا موقع مل گیا ۔ آپ نے ابتدائی کتابیں بھی حضرت شیخ الہندؒ سے پڑھیں ۔ اس کے علاوہ دارالعلوم میں جن دوسرے اساتذہ سے درس حاصل کیا وہ بھی سپہرِ علم کے آفتاب و ماہتاب اور اخلاقِ حسنہ کے مجسمے تھے ۔ ان اکابر میں حضرت شیخ الہندؒ کے والد ماجد مولانا ذوالفقار علی، حضرت مولانا عبد العلی محدث دہلوی، شیخ الحدیث حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، حضرت مفتی عزیز الرحمٰن، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمہم اللہ کے اسماءِ گرامی شامل ہیں ۔

آپ نے اپنا دارالعلوم دیوبند کی طالب علمی کا ہفت سالہ دور نہایت کامیابی سے گذارا، اور ہر امتحان میں امتیازی نمبرے کر پاس ہوئے ۔ چنانچہ عربی مدارس میں ہر مضمون یا کتاب کے انتہائی نمبر ۵۰ ہوتے ہیں ۔ لیکن آپ نے بیشتر کتابوں میں ۵۱، ۵۲، ۵۳ نمبر حاصل کیے ۔ اور صدرا جیسی دقیق کتاب میں تو آپ کو ۵۷ نمبر ملے ۔

دیوبند کے قیام ہی میں آپ کو علومِ دینیہ کی اہمیت اور اساتذہ کی عظمت و تعظیم کا پورا پورا احساس ہو گیا تھا ۔ چنانچہ جس لگن سے آپ نے تعلیم پائی اور جس نیاز مندی سے اساتذہ بالخصوص حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت انجام دی وہ اپنی مثال آپ ہے ۔

۱۳۱۶ھ میں حضرت شیخ الاسلامؒ کا پورا خاندان ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلا گیا اور دیارِ رسول میں ہی اقامت گزیں ہو گیا ۔ وہاں جن مالی مشکلات سے پورے خاندان کو دوچار ہونا پڑا وہ دوسروں کے لیے درسِ عبرت ہے، لیکن ان حضرات نے اِن دقتوں اور دشواریوں کو جس خندہ پیشانی اور صبر و استقامت سے برداشت کیا وہ بھی اپنی مثال آپ ہے ۔ پیٹ بھر کر کھانا بھی نہیں ملتا تھا، سر چھپانے کے لیے ٹھکانا نہیں تھا ۔ گھر کے افراد ہی نے مل جُل کر اور مزدوروں کی طرح کام کر کے ایک کچا پکا مکان تعمیر کیا ۔ حضرت شیخ الاسلامؒ بھی اس کام میں شریک رہے ۔ چنانچہ اپنی خود نوشت سوانح "نقشِ حیات" میں تحریر فرماتے ہیں :-

"بسا اوقات میں مسجدِ نبوی میں بیٹھا ہُوا کتاب پڑھاتا ہوتا تھا، اور آدمی آتا کہ والد صاحب

بُلا رہے ہیں۔ طلبہ کو رخصت کر کے حاضر ہوتا تو فرماتے کہ مٹی اٹھانے والا یا اینٹ اٹھانے والا مزدور نہیں آیا، تم اس کام کو انجام دو۔ یہ مجبوری تمام دن یہ کام کرنا پڑتا اور تمام اسباق کو معطّل کرنا پڑتا۔ بسا اوقات ایک ایک، دو دو اسباق کو معطل کر کے تمام اوقات اسی تعمیری خدمات میں صرف کرنے پڑتے ہیں۔"

دارالعلوم دیوبند میں نصاب کی تکمیل اور امتحان سے فراغت کے بعد ماہ شعبان ۱۳۱۶ھ میں آپ اپنے برادر بزرگ مولانا محمد صدیق کے ہمراہ گنگوہ تشریف لے گئے اور وہاں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ لیکن چونکہ کچھ ہی عرصہ بعد آپ کو اپنے والد اور خاندان کے ساتھ حجاز جانا پڑا۔ اس لیے مرشد کی ہدایت کے بموجب مکہ معظمہ پہنچکر آپ شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی خدمت میں باریاب ہوئے اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تلقین و ارشاد والی بات نیز اُن کا سلام و پیام پہنچایا۔ حضرت حاجی صاحب ؒ نے نہایت شفقت و محبت سے فرمایا کہ :۔

"ہر روز صُبح ہمارے پاس آکر یہ عمل کیا کرو۔"

آپ نے حضرت حاجی صاحب ؒ کے ارشاد کے بموجب ان کی خدمت میں حاضر ہونا شروع کر دیا۔ اور چند مہینے اُن کی صحبت سے مستفید ہوتے رہے۔ اسی سال آپ نے حج وعمرہ اور دیگر مناسکِ حج ادا کیے۔ اگلے سال ماہ جمادی الثانی میں حضرت حاجی صاحب رحلت فرما گئے۔ اس وقت حضرت شیخ الاسلام ؒ کی عمر اکیس سال تھی۔ گویا نوجوانی ہی میں آپ نے علومِ شرعیہ کی بھی تکمیل کر لی اور منازلِ سلوک بھی طے کر لیے۔

مدینہ منورہ میں قیام کے بعد بھی دیگر مصروفیات کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنی علمی سرگرمیوں کو جاری رکھا۔ خود اپنی علمی تشنگی کو بھی بجھاتے رہے اور دوسروں کو بھی فیض پہنچاتے رہے۔ اُس وقت مدینہ منوّرہ میں ایک معمر ادیب مولانا شیخ آفندی عبدالجلیل برادہ موجود تھے اُن سے آپ نے ادبیات کی تکمیل کی۔ ساتھ ہی وہاں کے دو کتب خانوں "کتب خانہ شیخ الاسلام" اور "کتب خانہ محمودیہ" کے علمی ذخائر سے پورا پورا استفادہ کیا۔

رمضان یا شوال ۱۳۱۸ھ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ؒ کا خط اس مضمون کا پہنچا کہ "تم ایک ماہ کے لیے میرے پاس گنگوہ آجاؤ۔" چنانچہ حضرت شیخ الاسلام ؒ ذیقعدہ کے آخری ایام میں مدینہ سے روانہ ہو کر مکہ مکرمہ پہنچے اور اپنے بھائی کے ساتھ حج وعمرہ کی سعادت حاصل کی۔ حج سے فارغ ہونے کے بعد محرم ۱۳۱۹ھ میں بادبانی جہاز سے مسقط اور وہاں سے کراچی پہنچے۔ اوائل ربیع الاول میں گنگوہ

کی حاضری نصیب ہوئی۔ دو ماہ سے زیادہ قیام رہا اور بارگاہِ رشیدی سے خلافت عطا ہوئی۔ ماہ محرم ۱۳۲۰ھ میں مدینہ منورہ واپس پہنچ گئے۔

مدینہ منورہ میں آپ کا درس و تدریس کا سلسلہ تو ہجرت کے کچھ ہی بعد شروع ہو گیا تھا لیکن شوال ۱۳۱۸ھ تک ابتدائی پیمانہ پر رہا۔ ماہ محرم ۱۳۲۰ھ سے جب آپ ہندوستان سے واپس پہنچے تو اس میں وسعت پیدا ہونی شروع ہوئی، اور نہایت قلیل عرصہ میں حلقہ درس اتنا وسیع ہو گیا کہ مختلف دیار و امصار سے تشنگانِ علم آ آ کر آپ کے چشمۂ علم سے سیراب ہونے لگے تقریباً پندرہ سال آپ نے مسجدِ نبوی میں درسِ حدیث دیا، اور متعدد طلباء فیضیاب ہو کر اعلیٰ مناصب پر فائز ہوئے۔

۱۳۳۳ھ میں حضرت مولانا محمود حسن شیخ الہندؒ حجاز تشریف لے گئے اور حج کی ادائیگی کے بعد دربارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ اُس وقت سے حضرت شیخ الاسلام کو مستقل طور پر اُستاد کی خدمت میں رہنے کا موقع ملا۔ اُن کے ساتھ آپ مکہ آئے، حج ادا کیا اور طائف چلے گئے۔ چونکہ حضرت شیخ الہندؒ کے وارنٹ گرفتاری حکومتِ ہند نے جاری کر دیئے تھے اُس کی تعمیل شریف مکہ کی وساطت سے ہوئی۔ اور حضرت شیخ الہندؒ کو مع اُن کے رُفقاء حضرت شیخ الاسلامؒ، مولانا عزیز گل، حکیم نصرت حسین اور حضرت شیخ الاسلامؒ کے بھتیجے وحید احمد گرفتار کر کے مالٹے بھیج دیا گیا۔ مالٹے کی اسارت کا زمانہ تقریباً چار سال ہے اس مُدت میں حضرت شیخ الاسلامؒ کو دن رات اُستاد کی خدمت میں رہنے کا موقع ملا جس کا تفصیلی ذکر آپ نے اپنی کتاب "اسیرِ مالٹا" میں کیا ہے۔

اس سب کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک طرف تو آپ کو اُستاد کی خدمت کی سعادت نصیب ہوئی اور دوسری طرف اُستاد سے فیضِ رُوحانی حاصل کرنے کا موقع ملا۔ اُسی زمانہ میں حضرت شیخ الہندؒ نے قرآنِ کریم کا اردو ترجمہ کیا جو آج بھی معیاری سمجھا جاتا ہے۔ اور حضرت شیخ الاسلامؒ نے قرآن حفظ کر لیا۔ غرض یہ اسارت آپ کے لیے ایک طرح سے بڑی مبارک ثابت ہوئی۔

مالٹے سے رہائی کے بعد مدینہ واپس جانے کی بجائے دیوبند چلے آئے۔ حضرت شیخ الہندؒ کا کچھ عرصہ بعد انتقال ہو گیا۔ اُدھر ملک میں سیاسی سرگرمیاں شروع ہو گئیں۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کی کتابِ زندگی میں ایک اور درخشاں باب کا اضافہ ہوا۔ وہ تھا سیاسی جدوجہد میں نہایت جوش و ولولے کے ساتھ حصہ لینا اور آزادیٔ وطن کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دینا۔ اس کے صلہ میں کئی بار حکومتِ برطانیہ کا معتوب بننا اور قید و بند کی صعوبات برداشت کرنا پڑیں۔ کراچی کے مقدمہ میں علی برادران کے ساتھ آپ کو بھی دو سال کے لیے قید کی سزا سنائی گئی اور آپ نے اسے خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ اس کے بعد بھی کئی بار آپ کو

جیل جانا پڑا، لیکن آپ اُس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے جب تک مُلک کو آزادی کی منزل تک نہیں پہنچا لیا۔

یہ تھا وہ ماحول اور یہ تھے وہ لوگ اور وہ حالات جنہوں نے حضرت شیخ الاسلامؒ کی ذات کو جو پہلے سے کچے سونے کے مانند تھی مختلف مرحلوں سے گذار کر ایسا کندن بنا دیا کہ اس کی چمک دمک روزِ قیامت تک کم نہ ہوگی۔ بلکہ جیسے جیسے اختلافات کی تلخیاں دلوں سے محو ہوتی جائیں گی ویسے ویسے مخالفین بھی آپ کے کاموں اور کارناموں کی تابانی وضوفشانی کو محسوس کرنے لگیں گے۔

کچھ تو اپنی فطرتِ سلیمہ سے اور کچھ مختلف اثرات سے حضرت شیخ الاسلامؒ میں دل ودماغ کی اتنی خوبیاں پیدا ہو گئیں کہ اُن کی کیفیت وکمیت کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔ آپ کے بارے میں یہ کہنا مبالغہ آمیز نہ ہوگا کہ: ”علم وتحقیق میں آپ اپنے زمانہ کے غزالی ورازی تھے، زہد وتقویٰ کے اعتبار سے احمد بن حنبلؒ، سلوک وطریقت میں جنید وشبلی اور جہد وایثار میں سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ“ آپ میں درویشی وولایت، مکارمِ اخلاق، خودداری، ذوقِ عبادت، اتباعِ شریعت وسُنّت، عزم واستقلال، احساسِ فرضِ منصبی، سادگی وبے تکلفی، تواضع وانکساری، ایثار وقربانی، فیاضی ومہمان نوازی، احتیاط وتقویٰ، قناعت واستغناء اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تمام خوبیاں جمع ہوگئی تھیں۔ بے جا نہ ہوگا اگر کہا جائے کہ آپ ان جملہ محاسن کا ایک حسین وجمیل پیکر تھے۔

حضرت شیخ الاسلامؒ کو درویش اور ولی ان معنوں میں نہیں کہہ سکتے کہ وہ اجتماعی ذمہ داریوں سے کنارہ کشی اختیار کیے ہوئے تھے۔ اُن کے بارہ میں اِس طرح کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، انہوں نے تو خدمتِ خلق کو مقصدِ حیات بنا رکھا تھا اور قومی کاموں میں خود کو اس طرح محو کر دیا تھا کہ اپنے راحت وآرام کا کوئی خانہ اُن کی زندگی میں خالی نہیں رہ گیا تھا۔ آزادی کی جدوجہد میں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ ان کی درویشی اور ولایت یہ ہے کہ دوسروں کو تکلیف پہنچا کر وہ اپنے آرام وآسائش کی تلاش میں سرگرداں نہیں رہے۔ بلکہ ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ خود سختی جھیل کر دوسروں کو آرام پہنچایا۔ مثلاً جاڑے کے موسم میں اگر کسی طویل سفر پر جا رہے ہیں اور رات اسٹیشن پر گذارنی ہے تو پلیٹ فارم کے کسی کونہ گوشے میں مصلّے پر کھڑے ہو کر تہجد کی نماز ادا کرلیں گے اور دوسروں کی نیند میں خلل ڈال کر ویٹنگ روم میں عبادت تک کرنا گوارا نہیں کریں گے۔

آپ کے اخلاق کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ کروڑوں انسانوں سے آپ کا واسطہ رہا لیکن ہر شخص آپ کے حُسنِ اخلاق کا مداح ومعترف نظر آیا۔ مولانا عبد الماجد دریا آبادی کے تاثرات ملاحظہ

ہوں، فرماتے ہیں:۔

"—— شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی مدظلہ العالی کے فضل و کمال، مرتبہ و مقام پر تو وہ گفتگو کرے جو خود بھی کچھ ہو۔ مجھے ذاتی تجربہ اور عینی مشاہدہ تو مولانا کے ایک ہی کمال اور ایک ہی کرامت کا ہے۔ اور وہ آپ کی بے نفسی، سادگی، تواضع، انکساری اور خدمتِ خلق کا عشق ہے۔ کہتا ہوں اور گویا خانۂ شہادت میں کھڑا ہوا بیان دے رہا ہوں کہ وہ بہترین دوست ہیں، بہترین رفیقِ سفر ہیں، مہمان ہو تو اس کی میزبانی میں اپنے معمولات کو ترک کر دیں گے، روپیہ پیسہ کی ضرورت پیش آئے تو خود قرض دار ہو جائیں گے لیکن آپ کی حاجت ضرور کہیں سے پوری کر دیں گے، خدانخواستہ بیمار پڑ جائیے تو تیمار داری میں دن رات ایک کر دیں گے، نوکری کی ضرورت پیش آئے، کوئی مقدمہ کھڑا ہو، کسی امتحان میں بیٹھ جائیے تو سفارش ناموں میں اور عملی دوڑ دھوپ میں نہ اپنے مرتبہ کا لحاظ کریں گے نہ اپنی صحت کا نہ خرچ کا، جس طرح بھی ہوگا آپ کا کام نکالنے پر تُل جائیں گے۔ اپنے بزرگوں کے ساتھ جو معاملہ بھی رکھتے ہوں اپنے خوردوں، شاگردوں اور مریدوں کے ساتھ یہ روش رکھتے ہیں کہ خادم کو مخدوم بنا کر ہی چھوڑتے ہیں۔ حالیؔ کے شعر کے معنی اب جا کر روشن ہوئے ہیں ؎

خاکساری اپنی کام آئی بہت ہم نے ادنےٰ کو اعلےٰ کر دیا

بہت سنا ہے کہ یہ شان محمود الحسن شیخ الہند دیوبندیؒ کی تھی۔ اگر یہ صحیح ہے تو جانشینی کا حق ان سے زائد کسی کو نہیں پہنچتا۔ فرصت میسر آتی تو اس متن کی شرح بھی اپنے قلم سے کرتا اور پھر نوبت شرح پر حواشی کی آتی۔ اور ایک مختصر المعانی پر کئی کئی مفصل اور مطول تیار ہو جاتے ؎ سفینہ چاہیئے اس بحرِ بیکراں کے لیے ——"

جس بات کو مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے اپنے مخصوص انداز میں اِس طرح پھیلا کر لکھا ہے اُس کو چند لفظوں میں اِس طرح کہا جا سکتا ہے کہ بے نفسی، سادگی، تواضع، انکساری، خدمتِ خلق وغیرہ کو مکارمِ اخلاق کہا جاتا ہے۔ اور یہ سب خوبیاں حضرت شیخ الاسلام میں اِتنی زیادہ تھیں کہ عام آدمی اُن کا صحیح اندازہ بھی نہیں کر سکتا، حالانکہ حضرت شیخ الاسلامؒ کا مرتبہ دینی اور دنیوی اعتبار سے اتنا بڑا تھا کہ اُس کا تصوّر بھی ممکن نہیں، لیکن آپ خود کو ہمیشہ چھوٹا ہی کر کے دکھاتے۔ سادگی آپ کی ہر بات سے عیاں تھی۔ تصنّع اور تکلف کو کسی موقع پر بھی اپنے کسی کام میں داخل نہیں ہونے دیتے تھے۔ خط کے آخر میں خود کو ہمیشہ "ننگِ اسلاف" لکھتے تھے، اور یہ محض دکھاوے کے لیے نہیں تھا بلکہ حقیقتاً آپ خود کو ایسا ہی

سمجھتے تھے۔ ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں اگرچہ زیادہ رہنا نصیب ہوا، مگر باوجود ان کی توجہات کے اپنی نالائقیوں نے گُل کھلانے میں کمی نہ کی۔ غرضیکہ میں اپنے اسلاف اور اکابر کرام کے لیے ننگ و عار ہی رہا اور حضرات اہلِ چشت اور دیگر مشائخ اہلِ طریقہ کا صحیح معنوں میں بدنام کرنے والا"

حضرت شیخ الاسلام میں خودداری کی صفت بھی کمال کے درجے کو پہنچی ہوئی تھی۔ آپ انتہائی مجبوری، ناداری، تنگدستی کی حالت میں بھی کبھی نہ صرف کسی سے امداد کے طالب نہیں ہوئے بلکہ اگر کسی نے کوئی مدد کرنی چاہی تو آپ نے قبول نہیں فرمائی۔ بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ اچھے خاصے کھاتے پیتے ہونے کے باوجود ہر کسی سے اپنی تنگدستی کی شکایت کرتے پھرتے ہیں لیکن حضرت شیخ الاسلامؒ کی خودداری نے اس کو بھی گوارا نہیں کیا کہ اپنی مفلسی کی حالت کو بھی کسی پر ظاہر ہونے دیں۔ جب آپ کا پورا خاندان جو ۱۳ افراد پر مشتمل تھا ہجرت کر کے حجازِ مقدس گیا اور دیارِ رسولؐ میں سکونت پذیر ہو گیا تو حالت یہ تھی کہ ناداری کی وجہ سے کبھی کبھی گھر میں فاقہ پڑ جاتا اور اکثر اتنا قلیل رزق میسر ہوتا کہ نیم فاقہ کی حالت ہوتی۔ لیکن آپ نے کبھی اس کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ خود حضرت شیخ الاسلامؒ نے نہایت قلیل معاوضہ پر ایک مدرسہ کی خدمت کر کے اور کتابیں اُجرت پر نقل کر کے خاندان کی کفالت کی۔ اور آپ کے والد محترم نے ایک چھوٹی سی دکان کھول لی۔

اسی زمانہ کا ایک واقعہ ہے کہ مدینہ منورہ کے ایک کامیاب ڈاکٹر رفاقت علی صاحب نے ہر چند چاہا کہ حضرت شیخ الاسلام کچھ معاوضہ لے کر اُن کے بیٹے عبدالخالق کو پڑھا دیں لیکن عسرت اور تنگدستی کے باوجود حضرتؒ نے معاوضہ لینا گوارا نہیں کیا اور کافی عرصہ تک بغیر کسی معاوضہ کے پڑھاتے رہے۔ کیا اس زمانہ میں خودداری اور استغناء کی کوئی ایسی مثال پیش کر سکتا ہے؟

حضرت شیخ الاسلامؒ میں ذوقِ عبادت بھی کمال کے درجہ کو پہنچا ہوا تھا۔ آپ کی نماز حقیقی نماز ہوتی تھی۔ جب نماز میں مشغول ہوتے تو معلوم ہوتا کہ یہ بندہ سارے عالم کو فراموش کر کے معبودِ حقیقی کے ساتھ سرگوشی میں محو اور بارگاہ خداوندی میں باریاب ہے۔ نماز میں جب قرأت کرتے تو ایسی رقّت طاری ہوتی تھی کہ دیکھنے اور سننے والوں کے بھی دل دہل جاتے تھے۔ متعدد بار تجربہ ہوا کہ آپ کسی طویل سفر سے واپس آئے ہیں اور پھر کسی اور سفر پر جانا ہے، مگر درمیان میں نماز کا وقت آ گیا تو اس شان سے بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہوتے کہ نہ پچھلے سفر کی کوفت و اذیت کا کچھ احساس دل پر رہا اور نہ آئندہ سفر کی کوئی فکر و پریشانی۔

نماز کے علاوہ بھی ہر وقت ذکر اللہ میں مشغول رہتے تھے اور "دل بہ یار و دست بہ کار" کے پورے مصداق تھے۔

ماہِ رمضان المبارک میں ۱۲ بجے رات تک خود تراویح پڑھاتے۔ اس کے بعد آدھ گھنٹہ آرام فرما کر تہجد میں مشغول ہو جاتے تھے، سارا دن تلاوتِ قرآنِ کریم میں صرف ہوتا۔

حضرت شیخ الاسلامؒ نے اتباعِ شریعت و سنّت کو نصب العین حیات بنا لیا تھا۔ کوئی کام خلافِ شریعت و سنت نہ خود کرتے اور نہ کسی کو کرتے ہوئے دیکھ سکتے تھے۔ رسوماتِ قبیحہ میں شرکت کرنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں، مباح رسومات میں بھی اس وقت تک شریک نہیں ہوتے تھے جب تک اُس کو سنّت کے مطابق نہ کرا لیتے۔ مثلاً نکاح میں اس شرط کے ساتھ شرکت کرتے کہ اس میں سادگی کا پورا لحاظ رکھا جائے گا اور خود نکاح اُس وقت تک نہ پڑھتے جب تک "مہرِ فاطمی" پر فریقین کو راضی نہ کر لیتے۔ ولیمہ بھی سنت کے مطابق ہونا ضروری تھا ورنہ خود شریک نہ ہوتے تھے۔

یہی نہیں، زندگی کے معمولات میں بھی شریعت و سنت کا پورا خیال رہتا تھا۔ کھانے پینے، اُٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے تک میں اتباعِ سنّت کو اپنے اوپر لازم کر لیا تھا۔

زندگی بھر عزم و استقلال اور ہمت و حوصلہ سے کام لیا۔ بڑھاپے میں بھی جوانوں سے زیادہ ہمت و حوصلہ کا اظہار کیا۔ برطانوی حکومت کا جس کی سلطنت میں کبھی سورج غروب نہیں ہوتا تھا، جس جوانمردی، ہمت و حوصلہ اور عزم و استقلال سے مقابلہ کیا اُس کی مثالیں دنیا میں بہت کم ملتی ہیں۔ شدید خطرات میں بھی آپ کے پائے استقلال کو ذرا لغزش نہیں ہوتی تھی۔ ۱۹۴۷ء میں جب ہر طرف قتل و خونریزی کے مناظر دکھائی دے رہے تھے، آپ نے خود بھی پورے ہمت و حوصلہ سے کام لیا اور مختلف شہروں اور قصبوں میں جا جا کر مسلمانوں کو ہمت دلائی اور اُن کو بلا خوف اور ڈر کے ہندوستان میں جمے رہنے کی تلقین فرمائی۔ اسی سلسلہ میں آپ یوپی کے مشہور شہر مظفر نگر بھی تشریف لے گئے وہاں کھالے پار کی مسجد میں مسلمانوں سے خطاب کیا، رات میں نو بجے سے بارہ بجے تک آپ کی تقریر کا سلسلہ جاری رہا۔ راقم الحروف بھی اُس وقت وہاں موجود تھا۔ حضرت نے قرآن اور حدیث کے حوالے سے بیان فرمایا کہ: "مسلمان کے دل میں اگر نورِ ایمان موجود ہے اور وہ اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے تو کافر اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ کافر کے سینہ میں مُرغی کے دل سے بھی چھوٹا دل ہوتا ہے، اس لیے مسلمان کو اس سے ہرگز نہ ڈرنا چاہیئے مسلمانوں کے دلوں میں صرف خدا کا ڈر اور خوف ہونا چاہیئے، غیر اللہ سے خوف کھانا شرک ہے۔ اس وقت ملک میں جو ہنگامے ہو رہے ہیں یہ چند روزہ ہیں۔ اگر مسلمان ہمت و حوصلہ سے کام لیں گے تو انشاء اللہ یہ دن بھی

گذر جائیں گے تم لوگوں کو اسی سرزمین میں رہنا ہے لہٰذا متحد ہو کر رہو اور ہندو اور سکھ سے خوف نہ کھاؤ، اللہ تمہارا حامی و ناصر ہے"

حضرتؒ کی اس تقریر کا اکثر سامعین کے دلوں پر کافی اثر ہوا، اور پہلے سے جو خوف و ہراس دلوں پر طاری تھا اُس میں بے حد کمی ہو گئی۔

حضرت شیخ الاسلامؒ کو فرائضِ منصبی کا بھی بہت احساس تھا۔ آپ ۲۸ برس دار العلوم دیوبند میں صدر مدرسی کے منصب پر فائز رہے، لیکن کبھی آپ نے اس احساس کو اپنے دل سے فراموش نہیں ہونے دیا۔ آپ نے سیاست میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ کئی برس تک جمعیۃ العلمائے ہند کے صدر رہے اور صدارت کی ذمہ داریوں کو بہ احسن وجوہ پورا کرتے رہے لیکن اس کے باوجود دار العلوم کی صدر مدرسی کی ذمہ داریوں سے غافل رہے اور نہ درس و تدریس کے معاملہ میں کبھی کوتاہی کی۔ بارہا ایسا ہوا کہ سینکڑوں میل کا سفر تھرڈ کلاس میں کر کے دیوبند پہنچے، اسٹیشن سے سیدھے دار العلوم گئے مسجد میں نماز ادا کی اور نماز کے بعد اعلان کرا دیا کہ "حضرت مولانا سفر سے واپس آ گئے ہیں، حدیث کے طلباء دار الحدیث میں جمع ہو جائیں، وہاں مولانا بخاری شریف کا درس دیں گے"۔ چنانچہ طلباء دار الحدیث میں جمع ہو گئے۔ حضرت مولانا نماز سے فراغت کے بعد تشریف لائے اور پورے انہماک سے درس دیا، اُس کے بعد گھر تشریف لے گئے۔

یہاں یہ بات بھی بتا دینا ضروری ہے کہ آپ کا درس سرسری اور رواروی کا نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ ہر مسئلہ کی تحقیق و تدقیق ہوتی تھی اور ہر طالب علم کے سوال کا تشفی بخش جواب دیا جاتا تھا، اور یہ سب کام پورے انبساط کے ساتھ ہوتا تھا۔ راقم الحروف نے بھی دو تین بار حضرت کے درس میں شرکت کی، دار الحدیث ایک وسیع ہال ہے وہ طلباء سے کھچا کھچ بھرا ہوتا تھا۔ کوئی ایک طالب علم حدیث پڑھتا، حضرت اس کا ترجمہ اور تشریح کرتے، پھر اس سے مسائل کا استنباط کر کے حدیث کی اہمیت کو واضح کرتے۔ بعدۂ طلباً سوال کرتے اور حضرت نہایت خندہ روئی سے اس کا جواب دیتے، جب سب طلبہ مطمئن ہو جاتے تو آپ آگے بڑھتے۔ واضح رہے کہ آپ کا پورا درس بغیر لاؤڈ سپیکر کے ہوتا تھا، اس کے باوجود کسی طالب علم کو یہ شکایت نہیں ہوتی تھی کہ "مجھ تک آواز نہیں پہنچ رہی ہے"۔

حضرت شیخ الاسلامؒ اپنے اوپر سختی جھیل کر اور سات سات، آٹھ آٹھ گھنٹے درس دے کر کورس پورا کرا دیتے تھے لیکن تنخواہ صرف اُن ایام کی لیتے تھے جن میں آپ کام کرتے تھے، جتنے دن آپ کے سفر میں گذرتے اتنے دنوں کی تنخواہ کٹوا دیتے تھے۔ آپ کی اس احتیاط اور دیانتداری کے باوصف بعض بد باطن

آپ کو کانگریس کا وظیفہ خوار بتاتے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب آزادی اور تقسیم ملک کی جدوجہد زوروں پر تھی، اس وقت کچھ معاندین و مخالفین نے پنڈت جواہر لال نہرو کی جانب سے انگریزی میں ایک خط لکھ کر ایک انگریزی روزنامہ میں شائع کرایا تھا۔ اس میں پنڈت نہرو کی طرف سے یہ تحریر تھا کہ:۔ "میں ان مولویوں کو روپیہ دیتے دیتے عاجز آگیا ہوں مگر ان لوگوں کا کسی طرح پیٹ نہیں بھرتا مولوی حسین احمد کو میں تین لاکھ روپے دے چکا ہوں، اب ایک لاکھ کا اور مطالبہ کر رہے ہیں سمجھ میں نہیں اتنے روپے کا کیا کرتے ہیں"۔ اس طرح کی جعلسازیاں کر کے حضرت کو بدنام کرنے کی کوششیں کی گئیں مگر یہ چاند پر تھوکنے کے مترادف ثابت ہوئیں۔

حضرت شیخ الاسلام کی زندگی سادگی و بلند خیالی کا ایک اعلیٰ نمونہ تھی۔ آپ کا لباس سادہ تھا، آپ کے رہن سہن، کھانے پینے غرض ہر کام میں سادگی تھی۔ غالباً ترک موالات کی تحریک کے بعد سے آپ نے ایسے کھدر کا لباس پہننا اختیار کر لیا تھا جس میں ایک تار بھی باہر کے کتے ہوئے سوت کا نہیں ہوتا تھا۔ اپنی اس روش کو آپ نے وقتِ اخیر تک نبھایا۔ آپ کی سکونت دارالعلوم کے قریب ایک کچے مکان میں تھی۔ میں جب اُدھر سے گذرتا تھا تو اس مکان کو دیکھ کر دریائے حیرت میں غرق ہو جاتا تھا لیکن بدباطن لوگ اس کی بھی تاویلیں گھڑ لیتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ سب دکھاوے کی باتیں ہیں۔ لوگوں پر اثر ڈالنے کے لیے باہر سے مکان کو کچا بنا رکھا ہے ورنہ اندر کے ٹھاٹ باٹ دیکھنے کے قابل ہیں۔ ہر وقت مردانہ حصہ میں مصاحبین اور حالی موالی بھرے رہتے ہیں اور مُرغن غذائیں اور مٹھائیاں اڑتی رہتی ہیں۔۔۔ آج غور کرتا ہوں تو حیران رہ جاتا ہوں کہ اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے ایک اتنے بڑے انسان پر اس طرح کی تہمتیں بھی لگا سکتے ہیں، جس شخص کے دسترخوان پر کبھی ایک سالن سے زیادہ نہیں ہوا جس کے ناشتے میں باسی روٹی اور مرچ کے اچار کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیا، اُس کے بارے میں نہایت وثوق سے یہ کہا جاتا تھا کہ "ہر وقت مُرغن غذائیں اور مٹھائیاں اڑتی رہتی ہیں"۔ میرے والد اکثر بتایا کرتے تھے کہ "الدنیا زورٌ لا یحصلها الا بالزّور"۔ بیشک ان لوگوں نے دنیا اسی طرح کے مکر و زُور سے کمائی ہے۔

میرے علیگڑھ کے ایک ساتھی قاضی محمد عقیل نے مجھ سے بیان کیا کہ،" میں مولانا حسین احمد صاحب کے مخالف گروپ سے تعلق رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ دیوبند جا کر مولانا سے ملاقات کروں اور بچشمِ خود آپ کے طرزِ زندگی کا مشاہدہ کروں۔ چنانچہ میں سفر کر کے دیوبند پہنچا، لوگوں سے پُوچھتا ہوا مولانا کے مکان پر گیا، یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ گھر اندر باہر سے کچا تھا۔ مردانہ حصہ میں جانے میں کوئی روک ٹوک نہیں تھی، میں بے جھجک اندر داخل ہو گیا، کھانے کا وقت تھا، مولانا اور اُنکے کئی مہمان

ایک معمولی سی چٹائی پر بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے، کھانے میں صرف روٹیاں اور ماش کی کالی دال تھی۔ میں پہنچا تو سلام کر کے کھڑا ہو گیا۔ مولانا نے نہایت خندہ پیشانی سے سلام کا جواب دیا اور بغیر یہ پوچھے ہوئے کہ کہاں سے آئے ہو اور کون ہو مجھے بھی کھانے میں شریک ہونے کے لیے کہا۔ میں نے شکریہ کے ساتھ انکار کر دیا، تو پھر مجھے بانوں سے بنی ہوئی ایک کھری چارپائی پر جو وہاں بچھی ہوئی تھی بیٹھنے کے لیے کہا، میں بیٹھ گیا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد مجھ سے گفتگو کی اور باوجودیکہ میری حیثیت ایک نوجوان طالبعلم کی تھی اور مولانا علم و حکمت کی رفعتوں پر پہنچے ہوئے اور ایک چوٹی کے سیاسی لیڈر تھے لیکن انہوں نے اس سادگی اور بے تکلفی سے باتیں کیں کہ نہ مجھے میری کم مائیگی کا احساس ہونے دیا اور نہ اپنی برتری کا ــــ"

ایک مخالف کے اس بیان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ معاندین نے حضرت شیخ الاسلامؒ کو بدنام کرنے کے لیے کیسی کیسی غلط بیانیاں کیں اور اُن کے خلاف اس بلند آہنگی سے پروپیگنڈا کیا کہ ہمارا قومی شاعر اقبال بھی دھوکا کھا گیا اور بغیر تحقیق کیے آپ کی شان میں یہ قطعہ لکھ مارا ؎

عجم ہنوز نہ داند رموزِ دیں ورنہ ۔۔۔ ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی ست

حقیقت یہ ہے کہ حضرت شیخ الاسلامؒ کے ہاں مہمان کثرت سے آتے تھے، اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں کہ:۔

"جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیئے کہ وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے"۔ (مسلم شریف)

آپ مہمان نوازی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے، لیکن کسی کام میں تکلف کو دخل نہیں ہوتا تھا۔ کھانا ہمیشہ ایک ہی ہوتا تھا۔ حضرت خود بھی مہمانوں کے ساتھ شریکِ طعام ہوتے تھے اور جو کچھ خود کھاتے وہی اوروں کو بھی کھلاتے تھے۔ خود کم کھاتے اور دوسروں کو زیادہ کھلاتے تھے۔ مہمانوں کے آرام کا پورا پورا خیال رکھتے تھے۔ رات میں جب سب مہمان سو رہے ہوتے اُس وقت آپ ہر ایک کے پاس جا کر دیکھ لیتے کہ کسی کو کوئی تکلیف تو نہیں ہو رہی ہے۔ بعض اوقات سوئے ہوئے مہمان کا بدن دبانے لگتے۔ اس سلسلہ میں مشہور کمیونسٹ لیڈر ڈاکٹر محمد اشرف کا بیان ملاحظہ ہو:۔

"ــــ ۱۹۴۶ء میں کمیونسٹ پارٹی کو ایک اہم مسئلہ پر غور کرنا پڑا اور مجھے اس کام پر مقرر کیا گیا کہ اس کے بارے میں ایک رپورٹ پیش کروں۔ میں اس مواد کی فراہمی کے سلسلہ میں دیوبند بھی حاضر ہوا۔ محراب و منبر کے جلوے تو میں نے اس سے پہلے بھی دیکھے تھے خلوت کے مطالعہ کا موقع اب ملا۔ جنگِ عظیم کے بعد اشیاء کی گرانی، مولانا کی قلیل آمدنی، بلیک مارکیٹ کا زور،

مگر اس سے حضرت مولانا کی مہمان نوازی میں کیا فرق آسکتا تھا۔ اور جب مجھ جیسے انجان اور بے دین کو مولانا نے باصرار اپنے مکان میں ٹھہرایا تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ سیاست، رشتہ داری، دوستی اور درس و تدریس کے واسطے سے مہمانوں کا کیسا ہجوم رہتا ہوگا۔ جب میں مولانا کی رہائشگاہ پر پہنچا تو مہمانوں کا قافلہ پہلے سے موجود تھا۔ چنانچہ میں نے بھی مہمانوں کے بڑے کمرے میں ایک چارپائی پر بستر لگا دیا۔

دینداروں کے معمولات سے میں یوں بھی گھبراتا ہوں مگر پہلے دو دن میرے اوپر واقعی بڑے سخت گذرے، نماز پنجگانہ تک تو خیر میں صبر کر لیتا، مگر مولانا کے ہاں تقریباً سبھی قائم اللیل تھے۔ کیفیت یہ تھی کہ عشاء کی نماز کے بعد میں بمشکل گھنٹے بھر سویا ہوں گا کہ کسی کونے سے تکبیر بالجہر بلند ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ میرے آس پاس کوئی ذکر خفی میں منہمک ہے تو کوئی تسبیح و وظیفہ میں۔ تھوڑی دیر میں یہ حضرات تہجد کے لیے اٹھ بیٹھے، پھر فجر سے پہلے اور بعد قرآن پاک کی تلاوت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اور جب دوسری رات بھی اسی کیفیت کی نذر ہوئی تو میں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضور کے ساتھ رہنے سے میری عاقبت درست ہو یا نہ ہو مگر میری صحت کو خطرہ ضرور لاحق ہو چلا ہے۔ حضرت نے تبسم فرمایا اور تیسرے دن سے مجھے ایک علیحدہ اور آرام دہ کمرہ مل گیا، یعنی اب میں اُسی آزادی سے اپنے کمرہ میں رہتا تھا جو مجھے اپنے گھر میں حاصل تھی۔ چنانچہ میں نے مواد کی فراہمی کا وہ کام جس کے لیے میں حاضر ہوا تھا شروع کیا، اور اس سلسلے میں مجھے دیوبند کی مجاہدانہ تاریخ کے بہت سے نئے واقعات کا علم ہوا۔

دیوبند کے قیام کی غالباً چوتھی شام تھی کہ میں اپنے بستر پر دراز تھا، رات کے دس بج چکے تھے، گھومنے پھرنے کی وجہ سے تھکن کچھ زیادہ تھی، چنانچہ لیمپ گل کیا اور سونے لگا، دروازہ کھلا رہتا تھا۔ مجھے کچھ غنودگی سی تھی کہ میں نے ایک ہاتھ اپنے ٹخنے پر محسوس کیا اور پھر دونوں ہاتھوں سے کسی نے میرے پاؤں دبانا شروع کر دیے۔ میں چونکتا ہو گیا، دیکھتا ہوں کہ حضرت مولانا بہ نفس نفیس اس گنہگار کے پاؤں دبانے میں مصروف ہیں۔ میری بدحواسی اور شرمندگی کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں، میں نے پاؤں جلد جلد سکوڑے اور بڑے ادب اور لجاجت سے حضرت کو روکا۔ مولانا نے اس پر حسرت سے فرمایا "آپ مجھے اس ثواب سے کیوں محروم کرتے ہیں، کیا میں اس قابل بھی نہیں ہوں کہ آپ جیسے مہمان کی خدمت کر سکوں"۔ مجھ پر اس ارشاد کے بعد جو کچھ گذری میرے لیے اس کا بیان کرنا مشکل ہے۔ واقعہ یہ بھی ہے کہ میں بارہ برس بعد آج پہلی بار اس واقعہ کا انکشاف کر رہا ہوں۔ اور اگر حضرت

زندہ ہوتے تو اس راز کو فاش کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اُنکی فراخدلی اور اُنکے اخلاق کا یہ ادنیٰ نمونہ تھا۔"
حضرت خود حقہ نہیں پیتے تھے لیکن اگر کوئی حقہ کا عادی مہمان آجاتا تھا تو اس کے لیے حقہ کا خاص طور پر انتظام کر دیتے تھے، بلکہ بعض اوقات تو خود اس کی چلم بھر دیتے تھے۔

آپ کو ریل کے لمبے لمبے سفر کرنے پڑے، مگر کبھی تھرڈ کلاس سے اونچے درجہ میں سفر نہیں کیا۔ جو ادارے آپ کو مدعو کرتے تھے اُن کے منتظمین آپ کو اونچے درجہ کا کرایہ پیش کرتے مگر آپ تھرڈ کلاس کا کرایہ رکھ کر باقی پیسے واپس کر دیتے تھے۔ ایک موقع پر واپسی کے وقت منتظمین جلسہ نے آپ کو بطور رخصتانہ سو روپے پیش کرنا چاہے۔ آپ نے یہ رقم لینے سے انکار کر دیا اور اتنا لینا گوارا کیا جتنا آنے میں خرچ ہوا تھا۔ جب زیادہ مجبور کیا گیا اور کہا گیا کہ یہ کمیٹی کی منظوری اور خوشی سے پیش کیا جا رہا ہے۔ تو آپ نے فرمایا "کمیٹی کے کتنے ممبر ہیں"؟ جواب ملا "سات ممبر ہیں" اس پر آپ نے دریافت کیا کہ "اس جلسہ میں جو روپیہ خرچ ہو رہا ہے وہ آپ ہی لوگوں کا ہے یا عام چندے کا ہے"؟ جواب دیا گیا کہ "یہ عام چندے کا ہے" آپ نے فرمایا کہ "پھر آپ لوگوں کو اس کو اس طرح صرف کرنے کا کوئی حق نہیں ہے"۔ کمیٹی کے ممبروں نے عرض کیا کہ "پبلک نے ہم کو اختیار دیا ہے"۔ آپ نے فرمایا "پبلک نے آپ کو یہ سمجھ کر اختیار دیا ہے کہ آپ کفایت شعاری کے ساتھ واجبی خرچ کریں گے"۔ غرض آپ نے وہ رقم قبول نہیں کی۔

اس واقعہ کو سامنے رکھ کر غور کیجئے کہ ایسا محتاط شخص کانگریس سے وظیفہ لینا گوارا کر سکتا تھا؟

غرض حضرت شیخ الاسلامؒ کے محاسن اتنے زیادہ ہیں کہ ع

سفینہ چاہیئے اس بحرِ بیکراں کے لیے

لہٰذا یہ سمجھتے ہوئے کہ ان چند اشاروں سے ہی آپ کے اخلاق اور بلند مرتبے کا پوری طرح اندازہ ہو جائے گا، مزید تفصیلات سے اجتناب کیا جاتا ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آپ میں انسانی خوبیاں اتنی زیادہ تھیں کہ آپ پر انسانیت جتنا ناز کرے کم ہے۔ نوّر اللہ مرقدہٗ و مضجعہٗ

نئی کارمینا نظامِ ہضم کی اصلاح کے لیے زیادہ پُرتاثیر

انسان کی تن دُرستی کا زیادہ تر انحصار معدے اور جگر کی صحت مند کارکردگی پر ہے۔ اگر نظامِ ہضم درست نہ ہو تو دردِ شکم، بدہضمی، قبض، گیس، سینے کی جلن، گرانی یا بھوک کی کمی جیسی شکایات پیدا ہوجاتی ہیں جس کے سبب غذا صحیح طور پر جُزوِ بدن نہیں بنتی اور صحت رفتہ رفتہ متاثر ہونے لگتی ہے۔

پاکستان اور دنیا کے بہت سے ممالک میں ہمدرد کی کارمینا پیٹ کی خرابیوں کے لیے ایک مؤثر نباتی دوا کے طور پر شہرت رکھتی ہے۔ چونکہ یہ ہر گھر کی اہم ضرورت ہے اس لیے ہمدرد کی تجربہ گاہوں میں اس کی افادیت پر ہمہ وقت تحقیق و تجربات کا عمل جاری رہتا ہے۔ نئی کارمینا اسی تحقیق کا حاصل ہے۔ نئی کارمینا کو پودینے کے جوہر اور دیگر مفید و مؤثر اجزا کے اضافے سے زیادہ قوی، پُرتاثیر اور خوش ذائقہ بنا دیا گیا ہے۔
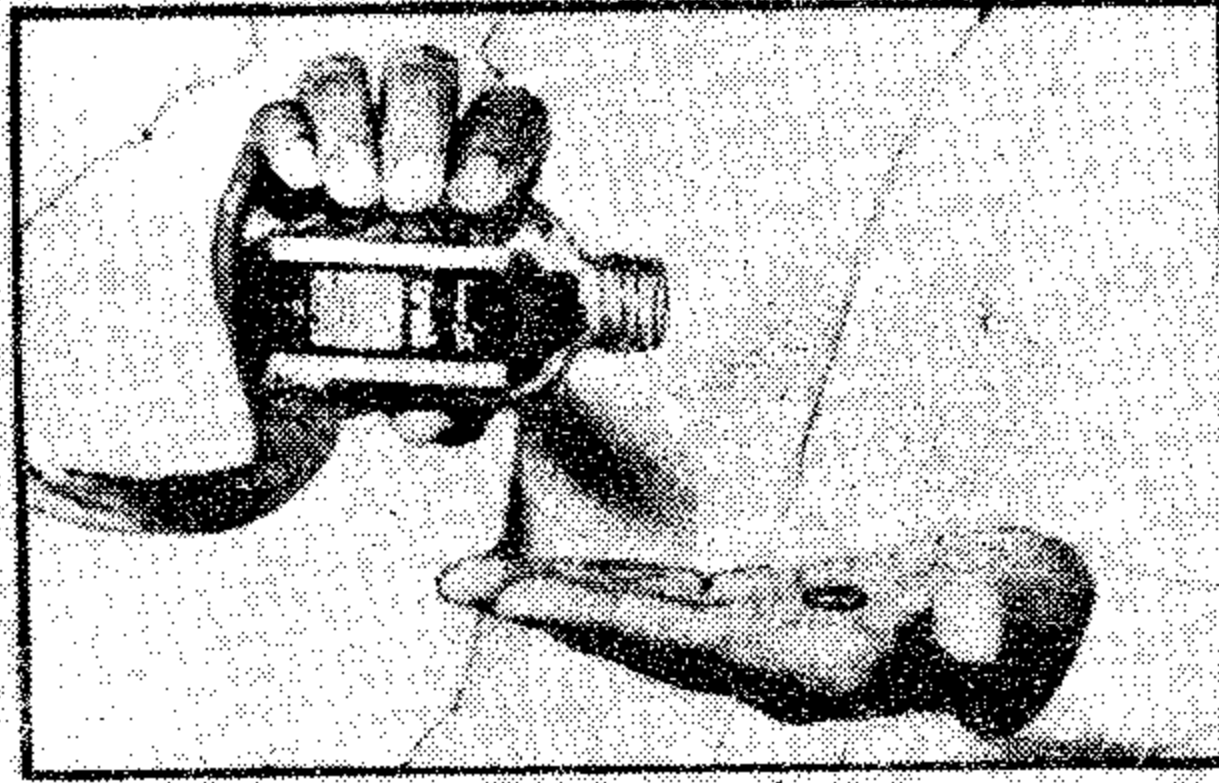
نئی کارمینا نظامِ ہضم کو بیدار کرنے، معدے اور آنتوں کے افعال کو منظم و دُرست رکھنے میں زیادہ کارگر ہے۔

بچوں بڑوں سب کے لیے مفید **نئی کارمینا** ہمیشہ گھر میں رکھیے

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

اعلیٰ اخلاق

تحقیق، رُوحِ تخلیق ہے

Adarts CAR- 4 88

مولانا سید سلیمان ندوی کی تحریر سے اقتباس

ارضِ حرم

سیاست بازی کا اکھاڑہ نہیں!

ارضِ حرم کی دینی حیثیت، اس کی حرمت، اس کی تقدیس اور اس تقدیس کے قیام کی اہمیت سے متعلق ہم تمام مسلمانانِ عالم کے سامنے ایک قابلِ استناد تحریر پیش کر رہے ہیں کیونکہ ضرورتِ وقت اس کی شدت سے متقاضی ہے۔ یہ تحریر محقق عالم، مسلم مورخ اور گہری سیاسی بصیرت کے حامل حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جن کا مرکزِ اسلام حجاز کی سیاست سے گہرا علمی تعلق رہا تھا۔ ۱۹۲۴ء میں ابن سعود اور شریف حسین میں جنگ چھڑی اور دونوں نے ہندوستان کی مجلس خلافت کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس ہندوستان سے جو وفد حجاز روانہ ہوا اس کے رئیس وفا ئد حضرت علامہ ممدوح ہی تھے۔ پھر ۱۹۲۶ء میں سلطان ابن سعود نے جو موتمر عالم اسلامی طلب کی تھی اس میں شرکت کے لئے ہندوستان سے جو وفد بشمول مولانا محمد علی جوہر بھیجا گیا اس وفد کے رئیس وقائد بھی حضرت علامہ ہی تھے اور اس موتمر کی جو مرکزی مجلس تشکیل پائی اس کے صدر تو سید شریف عدنان بنائے گئے۔ اور اس کے دو نائبین صدر منتخب ہوئے ایک حضرت علامہ اور دوسرے مفتی اعظم فلسطین امین الحسینی (رحمہما اللہ) تھے۔

غرض حضرت علامہ جیسے صاحب نظر کی جو تحریر پیش کی جارہی ہے اس کا لفظ لفظ غور سے پڑھنے اور اس کی روح تک پہنچنے کا طالب ہے۔ علامہ نے نومبر و دسمبر ۱۹۲۳ء کے معارف (اعظم گڈھ) کے شماروں میں "ارضِ حرم اور اس کے مصالح و احکام" کے زیرِ عنوان ایک بصیرت افروز اور پُر قوت مضمون تحریر فرمایا تھا۔ پیشِ نظر تحریر اسی کا اقتباس ہے جسے عنوان دے کر شائع کیا جارہا ہے۔

وقت کا تقاضہ ہے کہ جو طاقت بھی ارضِ حرم کے مامنِ مقدس کی حرمت کو پامال کرکے اپنے مذموم مقاصد کے حصول کی جرآت کر رہی ہے اس کے عزائم کو خاک میں ملاکر ناموسِ حرم کی پاسبانی کا حق ادا کرنے کے لئے۔

۱۔ صوفیائے عظام اپنی "ہمتیں" وقف فرمادیں۔

۲۔ عالم اسلام کے اہلِ تدبیر چستی سے کوشش کریں کہ ناپاک عزائم اسی حد تک ختم کردئے جائیں اور اس

میں انہیں کامیابی نہ ہو۔ پھر حرمِ پاک کے تقدس کی حفاظت کے لئے جان و مال کی بازی لگا دیں۔

۳۔ عالمِ اسلام کی صحافی برادری ایک مرکزی سیل (CELL) خاص اس غرض کے لئے بلاتاخیر پروپیگنڈے کی ساری طاقت تائیدِ حرم اور مخالفت گستاخانِ حرم میں صرف کرے۔

۴۔ تمام وہ ممالک جو مسلم ممالک کہلاتے ہیں اپنی سیاسی حکمت عملیوں پر قائم رہتے ہوئے ارضِ پاک حرم کے تقدس کے تحفظ کے مسئلہ میں متفق و متحد ہو جائیں اور حکومت سعودیہ کی اخلاقی اور عملی بھرپور تائید کریں تاکہ وہ ارضِ حرم کو زیرِ نقاب صیہونی سازش سے پاک رکھ سکے۔

۵۔ ہر مسلمان مرد و زن، پیر و جوان حرمین شریفین کی حرمت و عظمت کی بقا کے لئے خود سے جتنا بن پڑے کوشش کرے اور بارگاہِ الوہیت میں گڑگڑا کر دعا کرے۔

یا اللہ تیری کبریائی۔ تیری عظمت اور تیرے جلال و جبروت کا واسطہ، تو اپنے حرم پاک اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے حرمِ مبارک کی حفاظت فرما اور سب مسلمانانِ عالم کو توفیق عطا فرما کہ وہ پاسبانی حرمین شریفین کا حق ادا کر سکیں۔ آمین

استدعیان

الحاج حافظ فریدالدین احمد الوہبیہ	غلام محمد خادمِ خاص حضرت اقدس
صدر سنٹرل حج پلگرمس لیگ آف پاکستان	علامہ سید سلیمان ندوی

ارضِ حرم سیاست بازی کا اکھاڑہ نہیں | ارضِ حرم اسلام کا دینی اور مذہبی مرکز ہے۔ اس کا گوشہ گوشہ اسلام کا معبد اور مسلمانوں کا مشہد ہے۔ ارضِ حرم جس دن ارضِ حرم بنی۔ اسی دن اس کی یہ خصوصیت عیاں کر دی گئی کہ وہ صرف رکوع اور سجود کا آستانہ اور اعتکاف و طواف کا مقام ہے۔ اور انہی بندگانِ حق کا مسکن ہے جن کی زندگیاں راہِ خدا پرستی میں وقف ہیں۔ اور جو حیاتِ ابدی کے طالب اور جویاں ہیں۔ خانۂ حرم کے معماروں کو جب وہ اس کی تعمیر سے فارغ ہو چکے اس کے مالک کے حکم پہنچا

ان طہرا بیتی للطائفین والعاکفین والرکع السجود۔	تم دونوں میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں رکوع اور سجود کرنے والوں کے لئے پاک کرو۔

(بقرہ - ۱۲۵)

معلوم ہوا کہ ارضِ حرم کی تعمیر کا خاص مقصد یہ ہے کہ توحید کے پرستاروں کا یہ وہ مقام ہو۔ جہاں خدائے واحد کی پرستش کے سوا کوئی عمل مطلوب نہ ہو۔ اس کے سوا دنیا کے جتنے کام ہیں وہ اس کی پاکی اور طہارت کے منافی ہیں۔

اس کی طہارت اور پاکی، اس کی عظمت اور تقدس صرف اسی میں ہے کہ وہ عبادت الٰہی کا مرکز، توحید پرستی کا معبد رکوع اور سجود کی چوکھٹ اور اعتکاف وطواف کی خانقاہ ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کے نام پر جب اس گھر کو بنایا اور اس کی پاسبانی کے لئے اپنی سب سے پیاری اور عزیز اولاد حضرت اسماعیلؑ کو قربان کیا تو ساتھ ہی مقصد الٰہی کے مطابق اپنی غرض بھی ظاہر کر دی۔

و اذ قال ابراھیم رب اجعل ھٰذا البلد امنا واجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام رب انھن اضللن کثیراً من الناس فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانک غفور رحیم۔ ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم ربنا لیقیموا الصلوٰۃ (ابراھیم ۳۵)	اور جب ابراہیم نے کہا میرے پروردگار اس شہر کو امن دینے والا بنا اور مجھے اور میری نسل کو اس سے بچا کہ ہم بتوں کو پوجیں، میرے پروردگار ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے تو جو میری پیروی کرے وہ مجھ سے ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو تو بخشنے والا مہربان ہے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی اولاد میں سے بعض کو تیرے مقدس گھر کے پاس بن کھیتی کے میدان میں اس لئے لا کر بسایا ہے۔ ہمارے پروردگار تاکہ وہ نماز کھڑی کیا کریں (یعنی تیری عبادت کریں)

اس شہر کے سب سے پہلے آباد کار نے یہ ظاہر کر دیا کہ اس کی بنا صرف توحید پرستی کے لئے ہے یہ باطل پرستوں کا کبھی گہوارہ نہ بنے۔ اس مقدس گھر کے سایہ میں جو لوگ بھی آباد ہوں ان کی سکونت کی غرض یہی ہونی چاہئے کہ وہ اقامت صلوٰۃ یعنی عبادت الٰہی کے لئے اپنی حیات کو قربان کر دیں۔ وہ ناپاک سازشوں اور چالبازیوں، دنیاوی سیاستوں اور ملعون ہوسناکیوں، تخت وتاج اور باج وخراج۔ فوج وعسکر اور تیغ وخنجر کی جگہ نہیں۔ وہ صرف ایک ہی بادشاہ کا دارالسلطنت اور ایک ہی سپہ سالار کا لشکرگاہ ہے۔ وہاں کا تاجدار صرف خدائے قدوس ہے۔ اور وہاں کا سربرآرا صرف رب دو عالم ہے۔ وہ انسانی بادشاہیوں اور خوں ریزیوں کی سرزمین نہیں۔ وہ قدوسیوں کا مسکن، حق جو یوں کا مامن اور سچے فرزندان ابراہیم کا وطن ہے۔

اور یہ بھی ذہن نشین رہے، کہ ابراہیمؑ کے اصلی جانشین وہ نہیں جو صرف صلبی اور نسبی حیثیت سے ابراہیم کی جسمانی اولاد ہیں بلکہ وہ ہیں جو ابراہیم کی پیروی اور اطاعت کرکے ان کی معنوی اور روحانی اولاد بننے کا درجہ حاصل کر چکے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے صاف کہہ دیا۔

فمن تبعنی فانہ منّی (ابراہیم ۳۶) جو میری پیروی کرے وہ مجھ سے ہے

وہ دارالامن ہے | آدم کی اولاد فرشتوں کے طعنوں کے باوجود، اپنی سفاکیوں اور خوں ریزیوں سے خدا کی زمین کو نجس اور ناپاک کرتی رہتی ہے۔ خدا نے سطح ارضی کے ایک گوشہ کو اپنا نشیمن بنایا اور اس کو اپنا گھر کہہ کر پکارا۔ کہ وہ اس خون سے لتھڑی ہوئی دنیا کا ایک ایسا ٹکڑہ ہو جو انسانی ظلم و ستم سے محفوظ اور سفاکانہ خوں ریزیوں سے پاک ہو جہاں انسانی خون کا ایک قطرہ بھی اس کے دامنِ عصمت کا داغ ہو سطح ارضی کا یہ گوشہ سرزمینِ حرم ہے۔ جہاں مجرم سے مجرم انسان کا خون گرانا ممنوع۔ جہاں حلال سے حلال جانور کا شکار بھی گناہ۔ جہاں شاخوں اور درختوں کا کاٹنا حرام۔ اور جہاں سبزہ اور روئیدگی کو چھیلنا بھی جرم ہے۔ وہ صرف امن و امان کا وطن اور سکون و سلام کا مسکن ہے۔ ہر ذی روح وغیر ذی روح اس کے سایہ میں مامون اور محفوظ ہے۔

حضرت ابراہیم نے دعا کی۔

رب اجعل ھذا بلداً امناً (بقرہ ۱۲۶) میرے پروردگار اس شہر کو امن دینے والا بنا۔

لبوں کی جنبش سے پہلے یہ دعا بارگاہِ الٰہی میں قبول و استجابت سے مشرف ہو چکی تھی۔ کہ دمِ تکوین اس کے ناصیہ تقدیر میں یہ شرف مقدر ہو چکا تھا۔

و اذ جعلنا البیت مثابۃ للناس و امنا (بقرہ ۱۲۵)

اور جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کا مرجع اور مامن بنایا۔

خدائے عزیز نے اس شہر کے امن و امان کی قسم کھائی۔

والتین والزیتون وطور سینین و ھذا البلد الامین (تین)

قسم ہے انجیر اور زیتون کی اور طورِ سینا کی اور اس امن والے شہر کی۔

قریش پر اپنا یہ احسان ظاہر فرمایا۔

فلیعبدوا رب ھذا البیت الذی اطعمھم من جوع و امنھم من خوف۔ (ایلاف)

تو چاہیے کہ وہ اس گھر کے مالک کو پوجیں جس نے ان کو اس خشک اور بنجر زمین میں، بھوک سے بچاکر کھانا دیا اور خوف سے محفوظ رکھ کر ان کو امن بخشا۔

الم یروا انا جعلنا حرماً امنا و یتخطف الناس من حولھم (عنکبوت ۶۷)

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے امن والا حرم بنایا حالاں کہ اس کے آس پاس کی بدامنی کا یہ حال ہے کہ لوگ اچک لئے جاتے ہیں۔

اس کے دارالامن بنانے کے لئے بارگاہِ خداوندی سے یہ منشور جاری ہوا۔

من دخله کان آمناً — جس نے اس کے اندر قدم رکھ دیا وہ مامون ہوگیا۔ (آل عمران ۱۷)

اس نکتہ پر غور کرو کہ مدینہ آنے کے چند سال بعد اسلام اس قدر طاقتور ہوگیا تھا کہ وہ جب چاہتا تلواروں کے سایہ میں ارضِ حرم میں داخل ہو جاتا۔ مہاجرین کے قلوب اپنے وطن کے دیدار کے لئے بیقرار تھے۔ انصار کی تلواریں ساکنانِ حرم (قریش) سے انتقام کے لئے بے چین تھے۔ لیکن ان حالات کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ پاک میں ان سب سے بالاتر ایک حقیقت تھی۔ اور وہ یہ کہ وہ دارالامن ہے۔ تلواروں کی دھاروں، نیزوں کی انیوں اور تیروں کے پیکانوں سے اس سرزمین کے "جسم اقدس" کو مجروح نہیں کیا جا سکتا۔ وہ قتل وغنیمت اور خون ریزی سے گو وہ حق کے لئے ہو مغلوب نہیں کیا جا سکتا۔ وہ امن وصلح کا گھر ہے اور وہ صرف امن وصلح ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ آپ پرجوش مسلمانوں کے جذبات کے خلاف صلح حدیبیہ میں دب کر صلح فرماتے ہیں اور فوجوں کی فاتح تلواروں کو اس کے حدود کے اندر فاتحانہ داخلہ کی اجازت نہیں دیتے اور فرماتے ہیں قریش جو بات بھی ایسی پیش کریں گے جس میں خانۂ الٰہی کی حرمت ہوگی میں قبول کروں گا۔

دوسرے سال سینکڑوں مسلمانوں کے جلو میں اس طرح ادائے عمرہ کے لئے مکہ میں داخل ہوتے ہیں کہ انسانی قتل و خون ریزی کے تمام اسلحہ مکہ سے باہر چھوڑ دئے جاتے ہیں۔ ۸ ہجری میں جب مکہ فتح ہوتا ہے۔ دس ہزار مجاہدین کے دستے قدوسیوں کے پیکر میں قسم قسم کے پھریروں اور نشانوں کے سایہ میں دم بدم شہر سے قریب ہوتے جاتے ہیں۔ انصار کی تلواریں انتقام کے جوش میں باربار نیام سے باہر ہو رہی ہیں۔ اُن کے علمبردار عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان پر یہ ترانہ ہے۔

الیوم یوم الملحمة الیوم تستحل الکعبة — آج گھمسان کا دن ہے آج کعبہ خون ریزی کے لئے حلال کر دیا جائے گا۔

حضورؐ کے سمع اقدس تک یہ آواز پہنچتی ہے حکم ہوتا ہے۔ عبادہ نے غلط کہا آج کعبہ کی عظمت کا دن ہے اور اس قصور میں فوج کا علم عبادہؓ سے لے کر ان کے بیٹے کو دے دیا۔ آگے بڑھے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ مبارک میں تلواروں کی چمک نمایاں ہوئی۔ معلوم ہوا کہ سیف اللہ خالدؓ کی تلوار نیام سے نکل آئی ہے۔ ان سے باز پرس کی گئی تو معلوم ہوا کہ قریش کے ایک دستہ نے تیروں کی بارش سے دو مسلمانوں کو جام شہادت پلا دیا۔ آپؐ نے سن کر فرمایا کہ "قضائے الٰہی یہی تھی" بعض شدید مجرموں نے حرم کی سرزمین میں جا کر پناہ لی حکم ہوا کہ وہ جہاں بھی ہوں قتل کئے جائیں گے۔ یہی وہ ساعت تھی جس میں فرزند اسماعیل اور جانشین ابراہیم کے لئے سرزمین

حرم میں قتل جائز قرار دیا گیا۔

لا اقسم بھذا البلد و انت حل بھذا البلد (بلد ۱)	نہیں۔ اس شہر کی قسم کھاتا ہوں اور اے پیغمبر تو اس شہر میں حلال ہے۔

قرآن مجید نے اس حلت کی حد کی تعیین بھی کر دی۔

فلا تقاتلوھم عند المسجد الحرام حتی یقاتلوکم فیہ فان قاتلوکم فاقتلوھم (بقرہ ۱۹۱)	تو قریش سے حرمت والی مسجد کے پاس نہ لڑو اور یہاں تک کہ وہ تم سے اس میں نہ لڑیں تو اگر وہ تم وہاں قتل کرنا چاہیں تو تم ان کو بھی قتل کر دو۔

عین اس وقت جب آپ کے لئے اس سندِ جواز پر عمل کا وقت تھا، فرمایا

و انہ لم یحل القتال فیہ لاحد قبلی و لم یحل لی الا ساعۃ من نھار فھو حرام بحرمۃ اللہ الی یوم القیامہ (حدیث)	مجھ سے پہلے کسی کے لئے اس زمین میں لڑنا حلال نہیں ہوا۔ اور میرے لئے بھی حلال نہیں ہوا لیکن ایک گھڑی دن کے لئے تو اب وہ خدا کو محترم بنانے سے قیامت تک کے لئے محترم ہے۔

اب ان گنہگار انسانوں کے حق میں کیا فیصلہ ہے جنہوں نے مسجد حرام کے امن و امان کو ہر قسم کے آلاتِ قتل سے زخمی اور مجروح کیا۔ اور معصوم سرزمین کو انواع و اقسام کے قتل و خوں ریزی سے ناپاک و نجس کیا۔

یہاں ظالم سزایاب ہوگا | ارضِ حرم کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ جو شخص اس کے امن و امان صلح و سلام کے خرمن میں آگ لگائے گا وہ اس میں خاک ہو جائے گا۔ اور جو مغرور اس کی حدود میں ظلم و ستم گاری کو آشکارا کرے گا۔ وہ خود دوسروں کے ظلم و ستم گاری کا نشانہ بن جائے گا۔ گھر کے مالک کا اعلان عام ہوگا۔

و من یرد فیہ بالحاد بظلم نذقہ من عذاب الیم (الحج ۲۵)	اور جو اس میں منحرف ہو کر ظلم کا ارادہ کرے گا ہم اس کو دردناک عذاب چکھائیں گے۔

ہمارے سامنے تاریخ کی زبانِ حال اس پیشین گوئی کی شہادت تصدیق کے لئے کافی ہے۔ جب کبھی لوگوں نے اس سرزمین کو اپنے دنیاوی جاہ و جلال کا مرکز بنانا چاہا اور اس کے امن و امان کی بارگاہ کو خطرہ میں ڈالا۔ خواہ وہ باہر کے حملہ آور ہوں یا اندر کے مدعی ہوں۔ اصحابِ فیل کا یہ حشر ہوا۔ یزید اور اس کے خاندان کا چند سال میں استیصال ہو گیا۔ حضرت ابن زبیرؓ کو ناکامی ہوئی۔ مدینہ منورہ بھی حرم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ:

"جس طرح ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا، میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں"

(باقی ص۴۹)

قسط ۱۱ — مولانا عبدالقیوم حقانی

بہ سلسلہ "ارباب علم و کمال اور پیشہ رزق حلال"

مزدوروں کے طبقہ سے تعلق رکھنے والے ارباب فضل و کمال

علامہ سمعانی سے ملاقات

علامہ عبدالکریم سمعانیؒ سے ہماری گذشتہ دن کتابی ملاقاتیں نہایت مفید رہیں، اور کسی کو فائدہ پہنچا یا نہیں، خود مجھے ذاتی طور پر بے حد نفع ہوا۔ اسلاف کی عظمت، اکابر کی محبت، اسلام کی صداقت، کسب معاش میں رزق حلال، اپنے ہاتھ پاؤں کی کمائی، امیروں اور سرمایہ داروں سے بے نیازی، اعتماد علی اللہ، احقاق حق، اعلاء کلمۃ اللہ اور خدمت دین، عملاً سبھی علما اور شعوری طور پر ان کی واقفیت اور اس کے نتیجے میں ٹھوس ثمرات کے ترتب کا یقین بن گیا ہے۔ والحمد للہ علی ذالک۔

کل کی مجلس سمعانیؒ میں حاضری، آج استفادہ کا پیش خیمہ بنی، محبوب کا جمال فطری ہو اس کی ادائیں تصنع سے پاک ہوں اس کے مزاج میں وفا کا خمیر ہو۔ اس کی طبیعت میں حسن لطافت اور شفقت و محبت ہو تو محبین بھی صادقین ملتے ہیں اور آنے والے دام محبت میں ایسے گرفتار ہوتے ہیں کہ زلف محبت سے مخلص اور واپس جانے کا نام بھی نہیں لیتے۔ میرے ایک محسن اختر محترم نے غالباً ایسے ہی موقع کے لئے کہا تھا۔

> یہ ارادہ جب اٹھی میری نگاہ تیری طرف — تیرے دام زلف میں اٹکی، اٹک کر رہ گئی
>
> کیا کہوں میں لاکھ روکوں تب بھی یہ رکتی نہیں — میری جسم و جان بہت دن سے ہی تیری رہ گئی

ہمیں بھی علامہ سمعانی کی بے پناہ علمی شفقتوں، مطالعاتی ضیافتوں اور روحانی توجہ و عنایتوں نے کچھ ایسا مائل بہ سماعت کر دیا ہے کہ اپنے اس خاص موضوع میں علامہ سمعانی کے ارشادات عرفانی کے مطالعہ و سماعت کے بغیر کسی دوسری جانب نہ تو نظر اٹھتی ہے اور نہ کان کسی دوسری آواز پر سماعت کے لئے تیار ہوتے ہیں ع

> تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

یہی طبیعت کی مجبوری تھی اور کچھ ذوق کی کارستانی۔ اور کچھ شوق مطالعہ کی جولانی کہ آج پھر سے علامہ سمعانی کی الانساب پر دستک دی تاریخ کے ابواب کھل کھل کر سامنے آتے گئے۔ کئی دور دیکھے، کئی حکومتیں دیکھیں، چشم تصور میں مسلمانوں کے عروج و زوال کی داستان ورق ورق بن کر سامنے آتی گئی۔ عروج کے پس منظر اور ادبار کے

وجوہات پر غور و فکر کی صلاحیتیں صرف ہوئیں۔ ۱۲۰۶ صفحات کی الانساب تاریخ کی انسائیکلو پیڈیا یا اپنے موضوع کی دائرۃ المعارف ہے۔ آج ورق الٹتا رہا کسی ایک جگہ پر نظر کب جمتی تھی۔ ایک سے ایک بہتر تھا۔ انتخاب مشکل تھا کچھ طبیعت کی بھی مجبوری تھی اور کچھ تقدیر کی موافقت بھی یہی تھی کہ آج ساری کتاب پر اچٹتی نظر پڑ جائے۔ شاید فائدہ زیادہ ہو۔ جی ہاں! آج ایک فائدہ حاصل ہوا اور بہت بڑا فائدہ، آج علماء کی عظمت، اہل علم کی ضرورت و اہمیت، کائنات کی واضح اور روشن واقعاتی حقیقت بن کر سامنے نکھر نکھر کر آتی رہی۔ اور شاید قارئین بھی اس میں میرے ساتھ شریک ہو جائیں۔

سب جانتے ہیں اور کسی کو بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کہ ہر قوم کی تعمیر حیات، اخلاقی اور روحانی اساس پر اٹھائی جاتی ہے یہ اساس متزلزل ہو جائے تو آلات حرب کی فراوانی اور افواج کی کثرت اسے زوال سے نہیں بچا سکتی علم و عمل، تعلق مع اللہ، اخلاص و عبودیت، اعتماد علی اللہ۔ رزق حلال اور اس سے پیدا ہونے والا خون ایک ایسی مہیب قوت ہے جو وقت پڑنے پر طوفانوں، بجلیوں اور آسمانی لشکروں کو بھی امداد کے لئے بلا سکتی ہے۔ یہ قوت، صرف، پاکیزہ اخلاق۔ آسمانی علم۔ قرآنی نظام، دینی خدمت، انسانی ہمدردی۔ کسب معاش میں رزق حلال اور مخلصانہ بندگی و عبادت سے حاصل ہوتی ہے۔ مسلم فرماں رواؤں نے اپنی اپنی قلمروؤں میں نظام علم و عمل اور نظام اسلام کے ترک کر دینے سے اس پُر اسرار اور اعجاز آفریں قوت کے ذخائر کم کر دیئے۔ سلاطین علم و تقویٰ کے عظیم فلسفے سے غافل ہو گئے اور اس نظام کے قیام و استحکام کی افادیت کے بڑی حد تک منکر ہو گئے۔ حالاں کہ اسلام ایک ایسا ہمہ گیر نظام ہے جو انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر پہلو پر اثر انداز ہے کسی فرد کی اصلاح مقصود ہو یا عائلی زندگی میں سکون جماعت کا نظام سیاست ہو یا شعبہ معاشیات، بین الاقوامی روابط ہوں یا بین الملی تعلقات، اسلام کے پاس ایسی روشن ہدایات موجود ہیں جو امن عالم کی کفیل اور معاشرتی توازن کی ضامن ہیں بالفاظ دیگر اسلام ان تمام اصول و ضوابط کا مجموعہ ہے جو انفرادی اور ملی زندگی کی تنظیم کرتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین پورے اسلام کا مظہر تھے اور آپؐ کے بعد آپؐ کے ورثا حضرات علماء ہیں جن کی مساعی و محنت، جن کی تعب و جد و جہد، جن کی شب بیداری اور مشقت تحصیل و حفاظت علم، کسب معاش اور رزق حلال۔ اور فکری کاوشوں اور اعمال صالحہ سے مسلمانوں کی انفرادی زندگی جو حیات ملی کی آئینہ دار بھی ہے محفوظ چلی آرہی ہے اور اجتماعی زندگی بھی کہ یہی علماء اور نبی کے ورثا باپ، بیٹا، بھائی ہمسایہ اور شہری ہونے کے علاوہ صدر ریاست، کماندار، قاضی مفتی، جج، معلم، ہادی اور مرشد بھی تھے۔ وہ افراد تھے۔ لیکن ملت میں گم، قطرہ دریا میں مل جائے تو اس کی انفرادیت ختم ہو جاتی ہے۔

علم اور عملِ صالح، تقویٰ اور للہیت اور خلوص سے خدمت اسلام وہ واحد نظام ہے جو انسان کو پستیوں

سے اٹھا کر گردوں نشیں بناتا اور اسے رفعت وعظمت اور جمال و کمال عطا کرتا ہے ؂

یہ مال و دولت دنیا یہ رشتہ و پیوند

بتان وہم و گماں لا الٰہ الا اللہ

اہل اسلام کو اپنے علماء، فقہاء، مجتہدین، مفسرین، اساتذہ علم، طلبہ دین کا شکر گذار ہونا چاہئے جنہوں نے ہر حال میں قوم کی بے مہری، ناقدری بلکہ استہزاء اور تضحیک کے باوجود اسلام کے نظام علم و تدریس، اسلام کے نظام عمل و تبلیغ اور اسلام کے نظام بندگی و عبادت کو قائم رکھا، محنت مزدوری کی، بوریاں اٹھائیں۔ قلیوں کا کام کیا۔ سڑکوں پہ گدائیں چلائیں۔ اینٹیں اٹھائیں۔ گارا کیا۔ مگر خدمت علم و اشاعت دین کے کام کو کسی معاوضہ کے بغیر محض فی سبیل اللہ ادا کیا۔ اور الحمدللہ کہ یہ سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔ یہ علماء ہی ہیں جنہوں نے اسلامی اقدار کو زندہ رکھا ہوا ہے۔ اور قوم کے سامنے سادگی قناعت اور خدمتِ خلق کا اعلیٰ نمونہ پیش کر رہے ہیں۔ اقبال مرحوم نے ایسے ہی باکمال لوگوں کے لئے کہا تھا ؂

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن	گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت	یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان
ہمسایہ جبریل امین بندۂ خاکی	ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشاں
قدرت کے مقاصد کے عیار اس کے ارادے	دنیا میں بھی میزان، قیامت میں بھی میزان
جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم	دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

بات لمبی ہو گئی۔ آخر جذبات میں حضرت سمعانیؒ کی الانساب اتنا بھی اثر نہ کرے تو کیا کرے، مطالعاتی ملاقات میں آج علامہ سمعانی نے الانساب کا ورق ۱۷۴ کھول دیا۔ شہ سرخی یا گفتگو کا عنوان **حمّال** تھا۔ حمّال عربی میں ان لوگوں کو کہتے ہیں جو دوسروں کا سامان اور بوجھ لے آتے اور لے جاتے ہیں۔ اور لوگوں کا مال و اسباب ایک جگہ سے دوسری جگہ پر اجرت اور مزدوری پر پہنچاتے ہیں۔ علامہ سمعانی نے آج پھر حسب سابق ایک طویل فہرست ایسے علماء، فضلاء، مشائخ۔ ائمہ وقت محدثین و مفسرین کی سنائی جنہوں نے علم دین کی باربرداری۔ اخلاص و للہیت کی مزدوری پر کی ہے۔ اور علوم نبوت کی امانت کا بار اپنے سروں پر رکھ کر دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچایا ہے۔

آج کے تذکرہ میں سر فہرست مشکان حمّال تابعی کا ذکر خیر چھیڑا اور ارشاد فرمایا۔

مشکان حمال ہیں۔ باربرداری کا کام کرتے تھے۔ مزدور تھے۔ قلی تھے۔ ان کی پیٹھ لوگوں کا مال اٹھاتی اور پیٹ کا کام کرتی۔ مگر ان کا دل علم نبوت کا مخزن تھا۔ فقر و فاقہ غربت و افلاس تحصیل علم کی راہ میں دیوار نہ بن سکا۔ ان کا اخلاص اور طلب صادق تھی کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی نے علوم نبوت ان کے دامن طلب

میں اندیکھا رہے۔ ان کی زندگی کا سب سے بڑا جوہر اخلاص تھا جس نے ان کا نام روشن کر دیا ان کی علمی و دینی زندگی کی تعمیر میں اخلاص کا عامل سب سے زیادہ محرک نظر آتا ہے۔ اخلاص ہی نے ان کو دوام بخشا ہے۔ اور ان کے افادات اور فیوضات و برکات کو چہار دانگ عالم میں پھیلا دیا ہے۔

علامہ سمعانیؒ نے ارشاد فرمایا:۔

ابو موسیٰ ہارون بن عبداللہ حمّال بھی بہت بڑے عالم، عابد، محدث اور کامیاب استاذ تھے۔ اوائل میں بزازی کا کام کیا، کپڑے کی تجارت کی مگر بعد میں یہ کام چھوڑ دیا۔ اور لوگوں کا سامان اور اسباب ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کی مزدوری اور باربرداری کا پیشہ اختیار کر لیا اس سے جو اجرت ملتی خود اپنا اور بال بچوں کا پیٹ پالتے تھے مگر سرمایہ داروں کی بلند عمارتوں اور بڑی بڑی ڈیوڑھیوں کی طرف کبھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔

علم و فضل اور ذہانت و ذکاوت کی فطری دولت سے اللہ تعالیٰ نے مالا مال کر دیا تھا۔ ان کی عظمتیں اس قدر بڑھیں کہ اپنے اور اغیار سب اس کے قائل تھے۔ وجہ صرف یہ تھی کہ ان کی پشت پر اخلاص کی ایسی زبردست قوت کارفرما تھی جس نے قیامت تک ان کو زندہ و جاوید بنا دیا۔ ان کے اساتذہ میں اکابر اہل علم حضرت سفیان بن عیینہ سیار بن حاتم، معن بن عیسیٰ، روح بن عبادہ، ابو عاصم، ابو عامر عقدی کے نام زیادہ مشہور ہیں۔ امام حربی ان کی صداقت اور سچائی کے بارہ میں فرمایا کرتے تھے کہ اگر بالفرض جھوٹ بولنا حلال اور جائز ہوتا تب بھی وہ ہرگز جھوٹ بولنے کے لئے آمادہ نہ ہوتے۔

ابو عمران موسیٰ حمّال، ابو موسیٰ ہارون حمال کے فرزند ارجمند، بڑے عالم، نمازی و مجاہد اور حدیث کے امام تھے۔ اپنے والد کے صحیح جانشین اور وارث تھے۔ حمالی کا پیشہ تھا مگر ایثار و قربانی اور بلند عزمی نے ان کو بلند مقام عطا فرمایا۔ ان کی عزیمت اور اولوالعزمی نے غربت و افلاس، ناداری و خواری اور فقر و مزدوری اور حمالی کے باوجود انہیں آسمان علم کے ثریا تک پہنچا دیا۔ اور واقعہ بھی یہ ہے کہ اگر یہ صفت کسی ادارہ یا قوم میں پیدا ہو جاتی ہے تو دنیا اس کے سامنے جھک جاتی ہے۔ اور اس کی بالادستی کو ماننے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ شعبان ۲۹۴ھ میں موصوف اس دارِ فانی سے عازمِ اقلیم عدم ہوئے۔

تیسرے نمبر پر علامہ سمعانی نے رافع بن علی حمال کا تذکرہ فرمایا۔ موصوف باکمال عالم اور عظیم فقیہہ تھے اور سب سے بڑا اعزاز یہ تھا کہ جار اللہ تھے۔ کعبۃ اللہ کے جوار میں زندگی گذارتے تھے۔ زندگی کا اکثر حصہ مکہ مکرمہ زادھا اللہ شرفاً میں گذارا۔ مزدوری اور حمالی کے باوجود علم و فضل کی نعمت عظمیٰ پر فائز ہوئے۔ وجہ یہ تھی کہ انہوں نے طالب علمی کے زمانہ ہی میں خود کو علم پر عمل، عطائے علم پر شکر و امتنان کا عادی بنا دیا تھا۔ اس مسئلہ میں ان کے قدم انبیاء عظام اور اولیاء کرام کے نقشِ قدم پر تھے۔ اپنے اخلاق کو اپنے اساتذہ کے اخلاق میں ڈھال دیا تھا۔

صبر و زہد اور قناعت ان کی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ تھا۔ طالب علمی کے زمانہ ہی سے ان کے اخلاق و آداب ان کے طور و طریق۔ ان کا رہن سہن، سب سنّت رسولﷺ میں ڈھل چکا تھا۔ انہوں نے تعلیم کے شروع کرنے سے پہلے اپنے مقاصد اور مقام کو پہچان لیا تھا۔ جب تحصیل علم کی راہ میں نکلے تو پڑھنے اور علمی استعداد بنانے اور اس میں نکھار پیدا کرنے میں لگے رہے۔ اسے مقصود اور نصب العین بنایا۔ اور اس کے علاوہ دوسری طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

آپ خود بھی رجال اللہ سے تھے اور رجال کار کی تربیت پر توجہ بھی دیتے تھے۔ چنانچہ ابواسحٰق شیرازی اور ابویعلی فرا نے آپ سے فیض صحبت آپ سے شرف تلمذ۔ آپ کی خدمت و معیت اور آپ سے عقیدت و اطاعت کی بدولت فقہ اور حدیث میں امامت کا مقام پایا۔ اور استاذ کا یہ حال تھا کہ خود حمالی کرتے تھے، مزدوری کرتے تھے۔ اپنے اور اپنے بچوں کا پیٹ کاٹ کر اپنے دونوں مذکورہ لائق تلامذہ کے لئے بھی اس میں حصہ رکھ لیتے تھے۔ اور انہیں فکر معاش سے بے فکر رکھ کر یکسوئی اور یک جہتی سے تحصیل علم میں مگن رکھتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ پیشہ کوئی عیب نہیں۔ کوئی طعن نہیں کوئی ملامت نہیں، عزت ہے، علم کی رفعت اور اس کے بقا و تحفظ کا ذریعہ ہے۔ رضائے خدا اور رزق حلال کا بہترین وسیلہ۔

بقیہ ۴۴

اس لئے مدینہ کے مدعیوں کا بھی حشر یہی ہے۔ یزیدیوں کی بربادی ہوئی۔ واقعہ حرّہ میں انصار زادوں کو ناکامی ہوئی۔ نفسِ زکیہ اور دوسرے سادات ناکام ہوئے۔ کیونکہ ان مدعیوں نے حرم کے امن و امان کو خاک و خون میں لتھیڑا۔ شریف حسین اور اس کی اولاد کی ناکامی تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے۔

سرزمین حرم دارالسلطنت نہیں بن سکتی | تم نے ایک ایک کرکے پڑھا کہ ارض حرم صرف عبادت گذاری کا گھر ہے وہ تمام دنیائے اسلام کی ملکیت ہے۔ وہ دارالامن ہے۔ یہاں ظالم سرایاب ہوگا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ یہ سرزمین بادشاہیوں اور فوج کشیوں کے لئے نہیں ہے۔ یہ بغاوتوں اور فسادوں کا کام نہیں ہے۔ یہ سازشوں اور چالبازیوں کی کمین گاہ نہیں ہے۔ اور اس کو یقین جانو کہ ملک کا دارالسلطنت جس کی تعمیر فتنوں اور ہنگاموں سے اور جس کی بنا خونریزیوں اور سفاکیوں سے ہوتی ہے۔ ارضِ اقدس کو اس سے پاک اور مبرا ہونا چاہئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ اور عثمان غنیؓ، ان میں سے کون تھا جو اپنے آبائی وطن کا شیدا نہ تھا تاہم کسی نے کبھی اس ملک کو سیاست کا بازیچہ نہیں بنایا۔ اور ملک دارالخلافہ مدینہ منورہ ہی کو باقی رکھا۔ حضرت عثمانؓ کے فتنہ نے بھی ظاہر کر دیا کہ حرم ابراہیمی کی طرح حرم محمدی بھی سیاست گاہ اقوام بننے کے لائق نہیں۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے اسی بنا پر دارالخلافہ کو مدینہ منورہ سے کوفہ میں منتقل کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے جب اس کے خلاف مکہ کو سیاسی مرکز بنایا تو نتیجہ یہ ہوا کہ خانہ کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔

پھر کیا اے مسلمانو! ارضِ حرم میں بھی یہی منظر دیکھنا چاہتے ہو! فاعتبروا یا اولی الابصار

جدید ترین آٹومیٹک پلانٹ پر تیار کردہ
UNIFOAM
UF
ہر گھر
ہر دفتر
کی زینت
یونی فوم
جہاں آرام کا نام آیا۔ آپ نے یونی فوم کو پایا

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی

روسی جرنیل وارنسٹوف کے نام امام شامل کا تاریخی مکتوب

روس کی توسیع پسندی، مسلم دشمنی اور استعماریت کے خلاف ۳۰ سال تک برسرِ پیکار رہنے والے عالمِ اسلام کے پہلے گوریلا لیڈر امام شامل کو روسی جرنیل وارنسٹوف نے ستمبر ۱۹۴۴ء میں قفقاز پہنچ کر ایک خط میں لکھا کہ تم پانچ لفظوں، اطاعت، فرماں برداری، ماتحتی، باجگذاری اور درخواست میں سے جو لفظ چاہو منتخب کر لو۔

جواب میں امام شامل نے جو تاریخی خط لکھا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ انہوں نے لکھا۔

" وارنسٹوف مجھے تمہارے شہنشاہ پر ترس آتا ہے۔ کہ وہ تم جیسے بوڑھے اور از کار رفتہ نام نہاد جرنیل کا سہارا لینے پر مجبور ہو گیا ہے۔ اگر تم حقیقی جرنیل ہوتے تو تمہیں یہ علم ضرور ہوتا کہ ایک سپہ سالار دوسرے سپہ سالار سے کس طرح گفتگو کرتا ہے۔ تمہیں تو اتنا بھی پتہ نہیں کہ سپاہی گفتگو کا آغاز تلوار کی زبان سے کرتا ہے زبان کے استعمال کی نوبت اس وقت آتی ہے جب تلوار غالب یا عاجز آجائے۔

تمہاری اطلاع کے لئے تحریر ہے کہ قفقاز میں کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ وارنسٹوف کس چڑیا کا نام ہے۔ مگر ایک نام ایسا ہے جسے صرف جنوبی روس میں نہیں پورے روس میں، پورے قفقاز میں ہر کوئی جانتا ہے۔ تمہارے زاروں، جرنیلوں، افسروں اور سپاہیوں کے قبرستانوں میں مدفون لاکھوں لوگوں کی روحیں بھی اس نام سے واقف ہیں یہ نام ہے "شامل"

اور ہاں ہم غیر مہذب ضرور ہیں کیونکہ

★ ہم دوسرے ملک پر قبضہ نہیں کرتے۔

★ ہم دوسروں کو اپنا غلام نہیں بناتے۔

★ ہم اپنے مخالفوں کے باغات، کھیتیاں اور گھر نذرِ آتش نہیں کرتے۔ ہم ان کے پانی کے کنوئیں بند کر کے ان کو پیاس سے تڑپتے نہیں دیکھتے۔

★ ہم کسی فانی انسان کو اپنا خداوند، اپنا آقا، اپنی زندگیوں کا مالک تسلیم نہیں کرتے۔

ہم غیر مہذب ضرور ہیں۔ کیونکہ

★ ہمارے یہاں ماتحتوں کی بیویاں اپنے اعلیٰ افسروں کی بانہوں میں نہیں جھولتیں۔ ہمارے یہاں کی غریب مائیں اپنی چھاتیاں اپنے آقاؤں کے کتوں میں نہیں دیتیں۔ ہمارے یہاں انسان بندہ و آقا نہیں بلکہ انسان ہوتے ہیں۔

★ ہمارے یہاں لاکھوں کو ان کی مرضی کے خلاف جبراً فوج میں بھرتی کر کے جنگ کی آگ میں نہیں جھونکتے۔

★ ہمارے یہاں آقاؤں کے خادم اپنے آقاؤں کے کتوں کو گرمی پہنچانے کے لئے ساری رات اپنی گود میں لے کر نہیں بیٹھتے۔

★ ہمارے یہاں ہزاروں لوگ شہنشاہوں کے محل تعمیر کرتے ہوئے سردی سے ٹھٹھر کر نہیں مرتے۔

★ ہمارے یہاں بچوں کو ان کے ماں باپ سے جبراً جدا کر کے امیرزادوں اور امیرزادیوں کے "ننھے غلام" اور ننھی باندیاں بننے پر مجبور نہیں کیا جاتا۔

★ ہمارے یہاں بادشاہ کی حماقتوں اور زیادتیوں کے خلاف کرنے والوں کو ہمیشہ کے لئے سرد جہنم میں نہیں دھکیلا جاتا۔

ہم واقعی غیر مہذب ہیں کیونکہ

★ ہم آبادیوں پر اندھا دھند گولہ باری کر کے بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کا قتل عام نہیں کرتے۔

★ ہم دھوکے، فریب، بدعہدی اور دغابازی کو جائز نہیں سمجھتے۔

★ ہم کسی فانی انسان کی خوشنودی کے لئے نہیں بلکہ اپنے اللہ کے لئے اور اپنے جائز حق کے لئے لڑتے ہیں۔

★ ہم ہلاکت، تباہی، بربادی، ظلم، تشدد اور استحصال کو تہذیب کی برکات قرار دے کر برآمد نہیں کرتے۔

وارنسٹوف! تم کہتے ہو کہ ہم مہذب بن جاتے تو کئی فوائد سے بہرہ ور ہوتے اور ہمارے پاس کھانے پینے کا وافر سامان ہوتا۔ تم اپنے شہنشاہ اور اس کے آباؤ اجداد سے پوچھو کبھی ہم نے اس سے کچھ مانگا ہے۔

وارنسٹوف! بھوک دو طرح کی ہوتی ہے۔ پیٹ کی بھوک اور نیت کی بھوک۔ ہم نیت کے بھوکے نہیں۔ تمہارا خداوندِ نیت کا بھوکا ہے۔ جارجیا، منگریلیا اور امریتیا اور کئی علاقے ہضم کرنے کے بعد اس کی بھوک نہیں مٹی۔ اس کی ہوس ملک گیری بڑھتی جا رہی ہے جس طرح زردار کی ہوس بڑھتی ہی جاتی ہے۔

وارنسٹوف۔ تم نے کہا ہے کہ میں پانچ الفاظ میں سے ایک لفظ منتخب کر لوں۔ میں تمہارے پانچوں لفظ مسترد کرتا ہوں میرے منتخب کردہ پانچ الفاظ یہ ہیں:۔

"اللہ کی راہ میں جہاد"

افکار و تاثرات

قارئین بنام مدیر

- غم دین خور کہ غم، غم دین است ۔ مولانا قاضی عبدالکریم مدظلہ
- ماہنامہ طلوع اسلام کی گوہر افشانی ۔ مولانا شوکت علی ۔ قاری محمد سفیان
- سج رہا ہے شاہ خوباں کیلئے دربار دل ۔ مولانا غلام محمد بی اے
- علماء حق ابھی زندہ ہیں ۔ محمد اسحاق بینگورہ

منکرین حدیث، منکرین قرآن ۔ پرویزیت کے آرگن ماہنامہ "طلوع اسلام کی گوہر افشانی" اور پرویز نے انکار حدیث اور انکار قرآن کے فروغ اور ترویج کے لئے جو کام کیا ہے ۔ ماہنامہ الحق نے اپنی گذشتہ اشاعتوں میں وقیع اور مدلل مضامین شائع کرکے اس کا زبردست اور کامیاب تعاقب کیا ہے ۔ پرویزیت کے ایوان میں ہل چل مچ گئی ہے اور پھر حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ نے ایوان بالا سینیٹ میں جس طرح پرویزیت کا بھانڈا چوراہے پر توڑا ہے اس پر ہم آپ کو دلی مبارکباد دیتے ہیں ۔ آپ نے بھی دیکھا ہوگا ہم بھی تراشہ بھیج رہے ہیں ۔ اور اس کے رد عمل میں پرویزیت کے آرگن ماہنامہ " طلوع اسلام " نے اپنی تازہ اشاعت میں مولانا سمیع الحق مدظلہ اور ادارہ الحق کے مجلس تحریر کے ارکان کے بارہ میں لکھا ہے کہ :۔

" ان حضرات نے اپنی درسی کتابوں کا کبھی اچھی طرح مطالعہ تک نہیں کیا ۔ وہ پرویز صاحب کی کتابیں کہاں پڑھتے ؟ اسی لئے انہوں نے مطالعہ کئے بغیر اس راگ کو الاپنا شروع کر دیا جو اس سے پہلوں نے چھیڑا تھا اور تحریر و تقریر کے ذریعہ پرویز صاحب کے خلاف زہر اگلنے لگے ۔ ان حضرات کا خیال تھا کہ پرویز صاحب کی وفات کے بعد ان کا لگایا ہوا پودا مرجھا جائے گا ۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ یہ تو مرجھا جانے کے بجائے تناور درخت بننے لگا ہے تو ان کے سینوں پر حسد اور بغض کے سانپ لوٹنے لگے ۔ ان میں سے ایک تو سینیٹر مولوی سمیع الحق ہیں جنہوں نے کذب بیانی کی پرانی تمام مثالوں کو پس پشت ڈال دیا ہے اور ایوان بالا سینیٹ کے اعلیٰ ترین مقام سے (پرویزیت کے خلاف) وہ جھوٹ بولا جس کی مثال نہیں ملتی ۔ اور پھر بھی وہ خود ساختہ "قائد شریعت" کے منصب پر سرفراز ہیں ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان حضرات کے نزدیک شریعت اس کذب بیانی کا نام ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

پرویز صاحب کے خلاف دہرائے جانے والے الزامات کو اب کتابی صورت میں " پرویز اور قرآن " کے عنوان سے شائع کیا ہے (جو اس سے قبل ماہنامہ الحق میں بالاقساط مضامین کی صورت میں شائع ہوتے رہے) ۔ ۔ ۔ ۔ مولانا سمیع الحق کے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے بانی (مولوی عبدالحق صاحب اور مولوی قاضی زاہد الحسینی صاحب وغیرہ نے اس کتاب کو اس طرح پیش کرنا شروع کر دیا ہے کہ شاید یہ کوئی آسمانی صحیفہ ہے " ماہنامہ طلوع اسلام مئی ۱۹۸۸ء

حضرت مولانا مدرار اللہ صاحب مدرار نقشبندی کا گراں قدر تحقیقی اور وقیع مقالہ بالاقساط ماہنامہ الحق میں شائع ہوتا رہا جس سے ہم لوگ برابر مستفید ہوتے رہے اور جس میں ٹھوس اور ناقابل تردید دلائل سے پرویز صاحب کے انکار قرآن کا ثبوت مہیا کیا گیا ہے۔ اور قرآنی آیات میں اس کے تحریفات، تاویلات باطلہ اور دجل و تلبیس سے نقاب اٹھایا گیا۔ اب "پرویز اور قرآن" کے نام سے الحق کے اس سلسلہ مضامین کو علیحدہ کتابی صورت میں شائع کر دیا گیا ہے۔

پرویزیت کے آرگن ماہنامہ "طلوع اسلام" نے مئی کے شمارہ میں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مندرجہ بالا گوہر افشانی کی ہے۔ ہم خوش ہیں اور ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں کہ "الحق" کا تیر اپنے ہدف پر صحیح پہنچا۔ باری تعالیٰ استقامت دے اور مزید کامیابیوں سے نوازے۔ (مولانا) قاری محمد رمضان (حافظ) شوکت علی حقانی (مولانا) نیک محمد وزیرستانی

• غم دین خور، کہ غم غم دین است | ارباب علم و کمال اور پیشہ "رزق حلال" (مولانا عبدالقیوم حقانی کا الحق میں شائع ہونے والا سلسلہ مضامین مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے ارباب فضل و کمال کا تذکرہ و تعارف) بلاشبہ بہترین معلومات کا ذخیرہ اور عجائب و غرائب کا مجموعہ ہے۔ بہرحال اس پر آپ کی تحریر پُر تاثیر سونے پر سہاگہ۔ ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ۔ ونعوذ باللہ من الحور بعد الکور۔

خدا کرے مصروف دنیا اس سے یہ سبق سیکھے کہ ع

غم دین خور، کہ غم غم دین است

نہ یہ کہ اہل علم ان کو دیکھ کر دنیوی مشاغل میں لگ جائیں۔ کہ ایں ہم سنت بزرگان است

بلاشبہ یہ سنت بزرگان ہے مگر ایسی سنتوں پر عمل کرنے کے لئے دل گردہ بھی بزرگوں کا چاہئے ع

چوں نداری گرد بد خوئی مگرد

شاید شمائم امداد یا اپنے اکابرین کی کسی دوسری کتاب میں پڑھا ہے اور غالباً واقعہ بھی حضرت حاجیؒ صاحب کا ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے ادائے سنت کے ارادہ سے جو کی روٹی یا بن چھنا آٹا استعمال فرمایا۔ پیٹ میں درد ہونے لگا اور اسی پریشانی میں کئی سنتیں رہ گئیں۔ تو فرمایا ہمیں اندازہ نہیں تھا کہ ہم اس سنت پر عمل کرنے کے قابل نہیں ہیں۔

بہرحال اکابرین نے واقعی ان مشاغل سے استنکاف نہیں فرمایا (اگرچہ بہت سے حضرات کی یہ نسبتیں اس لئے بھی مشہور ہو گئیں کہ ان کے آباؤ اجداد نے یہ پیشے اختیار کئے ہوئے تھے مگر اپنی اولاد کو دین پر لگا دیا۔ اور انہوں نے ان پیشیوں کی طرف نسبت کرنے کو عار نہیں سمجھا) یہ اس زمانہ میں دین سے عام لگاؤ کا اثر تھا جس طرح کہ اب ہوا کا رخ دیکھ کر علماء و مشائخ نے (الاماشاء اللہ) اپنی اولاد کو دین سے محروم رکھنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

یعنی اس کا انکار نہیں کہ اکابر علماء نے تجارت، ملازمت، زراعت، سیاست اور مزدوری تک کی ہے لیکن جہاں گئے

وہاں دین لے کر گئے۔ اور اس پورے حلقہ کو دیندار بنا کر چھوڑا۔ مگر یہ بھی مسلّمہ حقیقت ہے کہ ع

ہر ہوسنا کے نداند جام و سنداں باختن

ابتدائیہ کا یہ جملہ نہایت قابلِ قدر اور مستحق غور و فکر ہے :۔

" جہاں دونوں میں معارضہ اور تقابل پیش آجاتا تو وہاں ذاتی کام رکاوٹ نہ بننے پاتا اور ہمیشہ علمی کام کو ترجیح دی جاتی "

ہم عشاقِ دنیا اپنے آپ کو ان پر قیاس کرنے لگیں تو یہ ہماری بھول ہو گی ؎

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر گرچہ باشد در نوشتن شیر و شیر
شیر آں باشد کہ مردم می درد شیر آں باشد کہ مردم می خورد

صرف یائے مجہول اور معروف کا فرق لگ گیا مگر نتیجہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ عملی دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ جو اُدھر گیا وہ اُدھر کا ہو گیا ع

ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد

معاملات خرید و فروخت میں جو دھاندلیاں بے علموں کی عادت ہے علم والے ان میں ان سے آگے بڑھ گئے۔ نماز باجماعت تو کیا خود نماز کی پابندی بھی ختم۔ بیع فاسد بیع مکروہ کی باتیں شریعت مطہرہ منسوخہ سمجھی جانے لگیں۔ ملازمت میں گئے تو معدودے چند حضرات کے علاوہ رفتار، گفتار، چال چلن سب کچھ بدل گیا۔ ننگے سر پھرنا تک معیوب ہو گیا۔ پگڑی اور کندھے کی چادر تو ایک گالی بن گئی۔ غیر حاضریاں اور غلط بل پیش کرنے تک کے کاروبار میں نئے فیشن والوں سے سبقت لے گئے۔

کاشتکار یا زمیندار ہو گئے تو طبقاتی کشمکش میں دین پڑھے ہوئے حضرات اور بے علم کاشتکاروں اور زمینداروں میں فرق کرنا مشکل ہو گیا۔

سیاست کا میدان تو اتنا بے لگام ہو گیا ہے کہ اس میں مذہب اور شریعت کا نام لینا بھی مسخرہ اور باعث بے عزتی ہو گیا ہے ع

کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

؎ کبھی وہ دور تھا جب موجب عزت تھا "سیماھم" محراب موجب ذلت ہے سجدے کا نشاں ساقی

سیاست زدہ مولوی صاحبان شریعت کے نام سے چڑنے لگے ہیں ان کے مذہب میں ہر مطالبہ کے لئے تحریکیں چلائی جا سکتی ہیں مگر شریعت کے لئے ہرگز نہیں۔ بے علموں میں یہ ہمت رہی نہ اور یہ جرأت بے جا کہاں۔ بہرحال نام تو ان اکابرین کا لیا جاتا ہے جنہوں نے دنیا کو بھی دین بنا لیا تھا۔ اور کام یہ کہ دین کو بھی دنیا کے تابع کر دیا ؎

کفر گیرد کاملے ملت شود
ہرچہ گیرد علتی علت شود

اللہ تعالیٰ الٹی سمجھ سے محفوظ رکھے۔ آمین

بہرحال نفس محنت قابلِ قدر ہے اللہ تعالیٰ سے قبول فرمائیں۔ اور امت کے لئے نافع بنا دیں۔ آمین

(حضرت مولانا قاضی) عبدالکریم غفرلہ ولوالدیہ) ڈیرہ اسمٰعیل خان

علماء حق ابھی زندہ ہیں | الحق کے سلسلہ مضامین مثلاً حضرت مولانا سمیع الحق کے پارلیمنٹ میں مجاہدانہ تقریریں، علامہ سمعانی سے ملاقات، نظریہ ارتقاء کے بارے میں مولانا شہاب الدین ندوی کا قسط وار سلسلہ مضامین۔ دارالعلوم کے شب و روز اور بالخصوص صحبتے با اہل حق اور کئی دوسرے مضامین بہت سی معلومات بہم پہنچاتے ہیں۔ اور ہم یہاں دور دراز علاقوں میں بیٹھ کر یہ یقین کرتے ہیں کہ علماء حق ابھی زندہ ہیں اور ابھی دین محمد صلعم پر کوئی ڈاکہ نہیں ڈال سکتا۔ اگرچہ حکومت وقت اور پورے عالم اسلام کے حکمرانوں کا رویہ منافقانہ کیوں نہ ہو۔

افغانستان میں حقانی برادری کی کاوشیں علماء حق کی اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ حقانیہ اور دیوبندی سلسلہ کے موتیوں کو تاقیامت تابناک درخشندہ اور زندہ و تابندہ رکھے۔

محمد اسحاق مینگورہ، سوات

سج رہا ہے شاہ خوباں کے لئے دربار دل | الحق بابت مئی ۱۹۸۸ء زیر نظر ہے اس میں صفحہ ۲۷ سے ۳۰ تک مولانا عبدالقیوم حقانی نے حضرت مولانا سید ابرار الحق صاحب کا خطاب قلم بند فرمایا ہے آخر میں ایک جملہ اپنی طرف سے لکھ کر جو شعر نقل فرمایا ہے وہ ہمارے شیخ عالی مقام حضرت مولانا سید سلیمان ندوی نور اللہ مرقدہ کا ہے اور صحیح نقل نہیں ہوا۔ حضرت ممدوح فرماتے ہیں:۔

دور باش افکار باطل دور باش اغیار دل　　سج رہا ہے شاہ خوباں کے لئے دربار دل

براہ کرم تصحیح فرمالیں۔ اسی غزل کا ایک اور شعر ہے ؎

جمع وہ سامان ہو جس کی خریداری بھی ہو　　سوچ کر اے دل لگانا چاہئے بازار دل

اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائے۔　　(مولانا) غلام محمد کان اللہ لہ۔ کراچی

قاری رشید احمد شاکر مہتمم جامعہ عثمانیہ، پشاور

مَردِ قلندر

صدر المدرسین دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک مولانا **عبدالحلیم** صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی یاد میں

آہ مرگِ ناگہاں مردِ قلندر اب کہاں — وہ محدث وفقیہ اور وہ مفسر اب کہاں

تشنگانِ علم و حکمت جابجا افسردہ ہیں — بحرِ امواجِ شریعت کا شناور اب کہاں

پیکرِ ایثار و جرأت خادمِ دینِ متین — چار سُو برپا ہے ماتم شیخ اکبر اب کہاں

واہ تیری خوش بیانی پر ہو میری جاں فدا — اے تکلم کچھ بتا تیرا تبحر اب کہاں

سطوتِ باطل سے بھی جو بار ہا ٹکرا گیا — ایسی چنگاری خدایا ایسا نشتر اب کہاں

جسکی فرقت پہ ہے گریاں اب تلک چرخِ بریں — جسکے دم سے چل رہا تھا دورِ ساغر اب کہاں

گلستاں باقی ہے لیکن اس میں بوئے گل نہیں

رونقِ حقانیہ جو تھے وہ شاکر اب کہاں
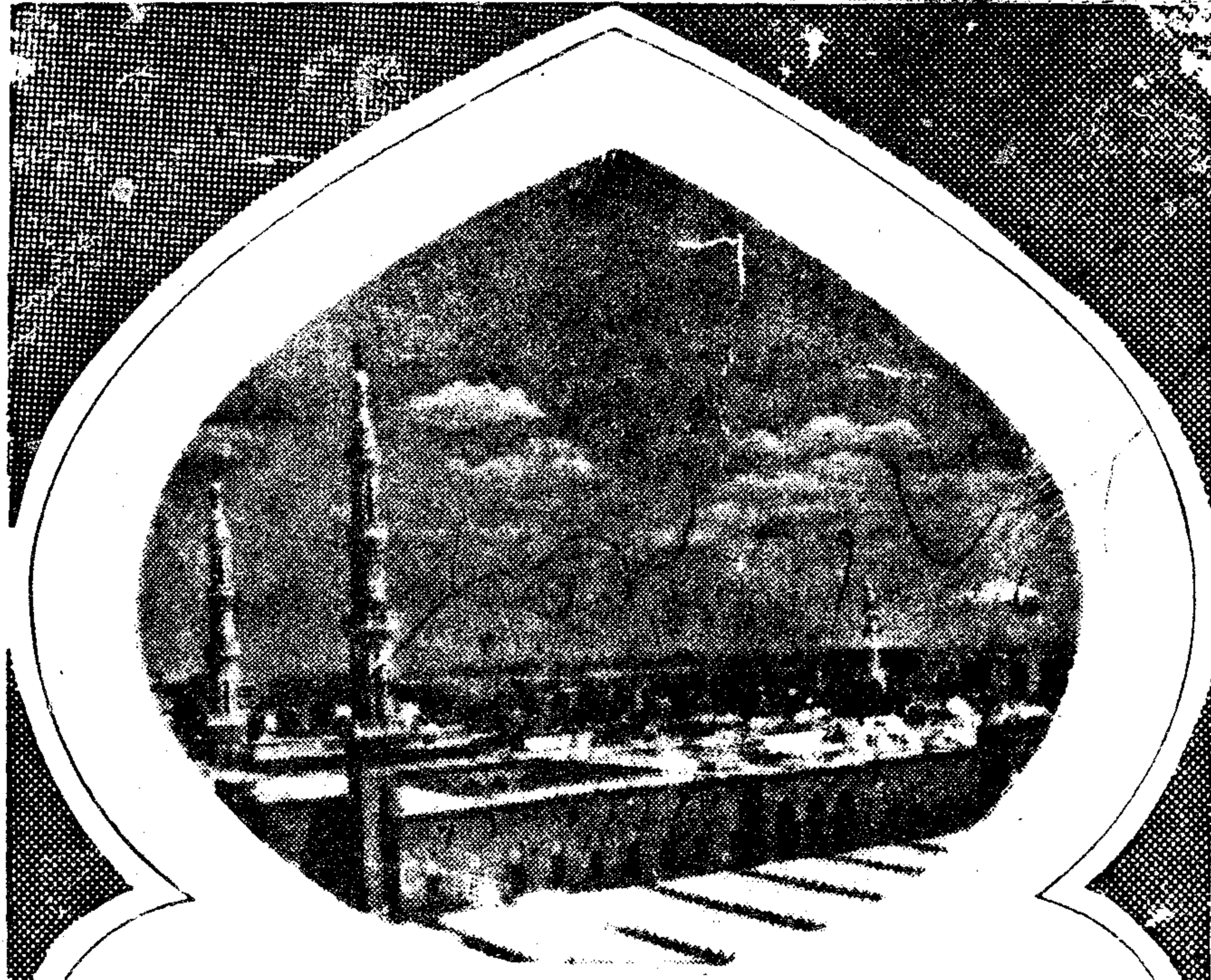
TELEGRAMS PAKTOBAC AKORA KHATTAK   TELEPHONES NOWSHERA [illegible] & 599

PAKISTAN TOBACCO COMPANY LIMITED

AKORA KHATTAK FACTORY P. O. NOWSHERA
(N. W. F. P.—PAKISTAN)

مولانا عبد القیوم حقانی
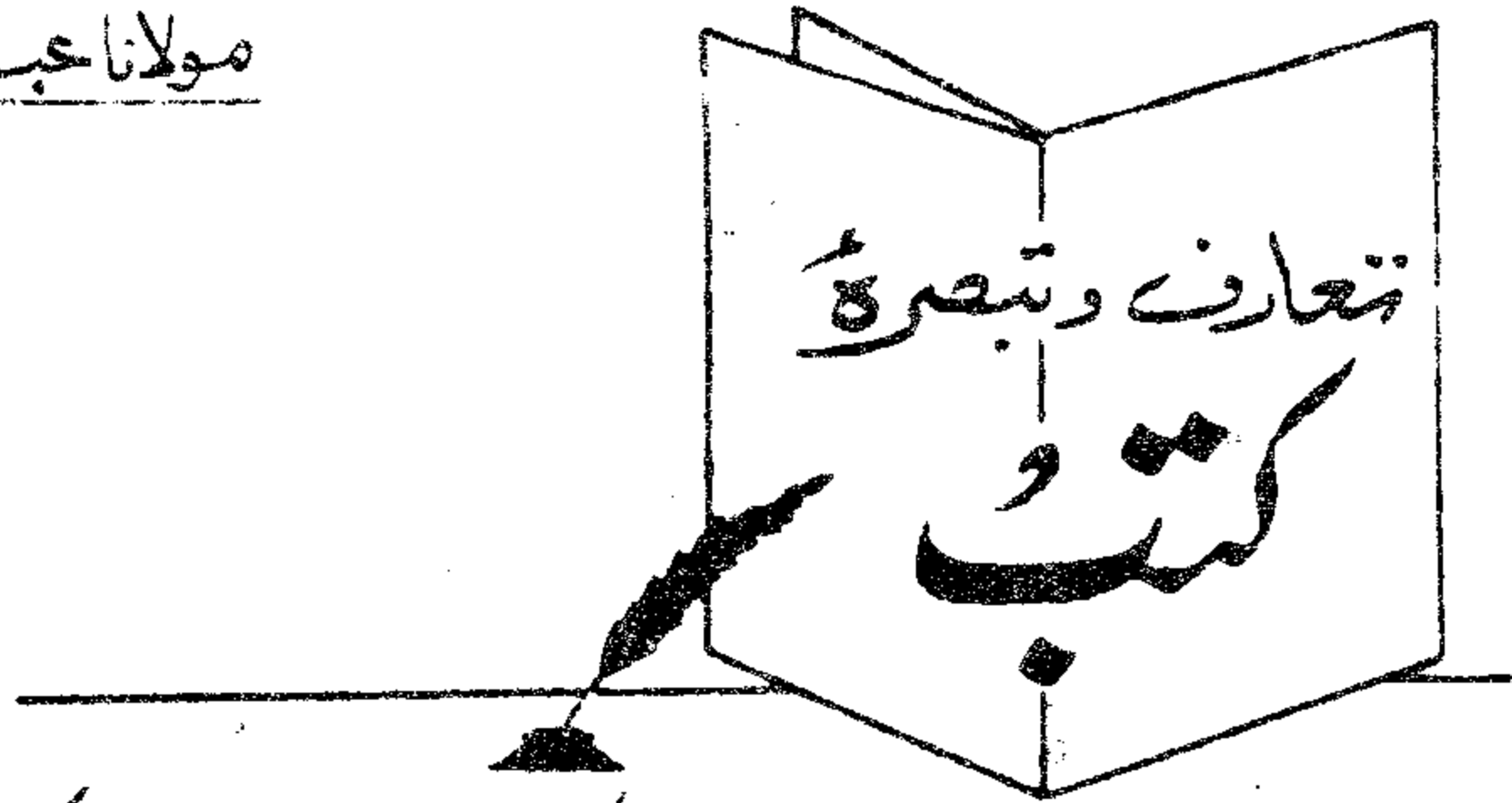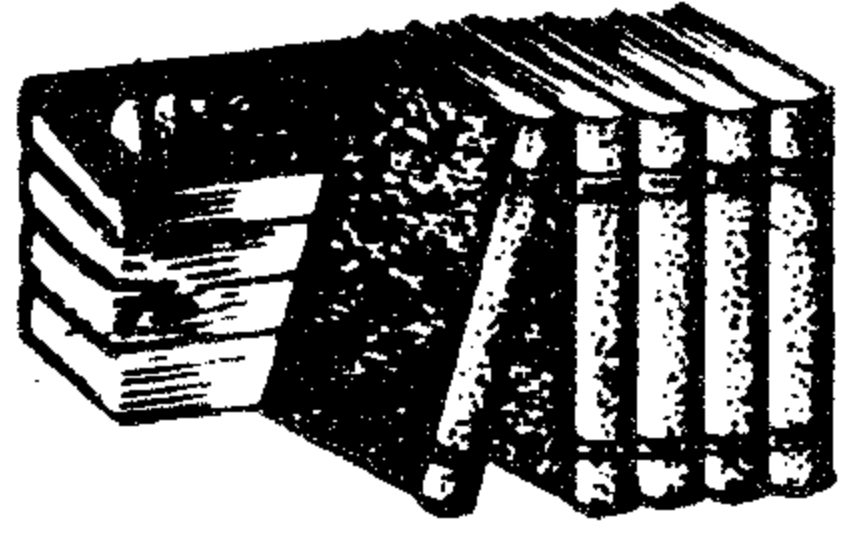
المسامرہ شرح المسایرہ مع شرح الشانی (عربی) | تصنیف :- کمال بن ابی شریف، علامہ کمال الدین بن ہمام، علامہ قاسم بن قطلوبغا حنفی صفحات ۴۶۷ - قیمت ۶۰ روپے - پتہ :- دار المعارف الاسلامیہ آسیا آباد - مکران - (بلوچستان)

مسایرہ فی العقائد المنجیہ فی الآخرۃ - علامہ کمال الدین بن الہمام (متوفی ۸۶۱ھ) کی تصنیف ہے۔ علامہ ابن الہمام فقہ حنفی کے نہایت ہی نامور محقق اور متبحر علامہ ہیں۔ تفسیر، حدیث، فقہ، کلام منطق اور جدل ومناظرے میں یکتائے روزگار تھے۔ فتح القدیر مرحوم کی عظمت اور جلالت علم کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ " المسایرہ " موصوف کی عقائد میں مشہور تالیف ہے۔ صاحب کشف الظنون نے اس کے پس منظر میں لکھا ہے کہ اولاً موصوف نے امام غزالی کے رسالہ " القدسیہ " کی تلخیص لکھنے کا ارادہ کیا تھا اور جب کام شروع کیا تو " المسایرہ " کے نام سے مستقل تصنیف تحریر فرمائی۔ جس میں مقدمہ کے بعد ارکان اربعہ بیان فرمائے۔ رکن اول میں ذات باری تعالیٰ۔ رکن ثانی میں اللہ تعالیٰ کے صفات، رکن ثالث میں افعال اور رکن رابع میں صدق الرسول اور ہر رکن کے تحت دس دس اصول تحریر فرمائے ہیں۔ اور خاتمہ میں ایمان واسلام کے مباحث آگئے ہیں۔

کتاب کی اہمیت وضرورت کے پیش نظر اولاً علامہ کمال بن ابوشریف (متوفی ۹۰۵ھ) نے اس کی عربی شرح " المسامرہ شرح المسایرہ " کے نام سے تحریر فرمائی۔ اس کے بعد شیخ قاسم بن قطلو بغا نے اس کی مزید توضیح وتشریح کی۔ زیر تبصرہ کتاب اصل متن اور دونوں شروحات کا مجموعہ ہے۔ مولانا احتشام الحق آسیا آبادی کے ضبط وتصحیح اور محنت ولگن سے یہ اہم علمی سوغات بھی عمدہ طباعت کے ساتھ منظر عام پر آگئی ہے۔ اہل علم اور تحقیقی و دینی حلقے اس کی قدر کریں گے۔

الاجماع | تصنیف :- امام ابوبکر ابن المنذر۔ صفحات ۱۹۶۔ قیمت ۴۸ روپے۔

پتہ :- دائرۃ المعارف الاسلامیہ - آسیا آباد - مکران - بلوچستان

امام ابوبکر محمد بن ابراہیم النیسابوری الشافعیؒ المتوفی ۳۱۸ھ - حدیث، فقہ، تفسیر اور قرأت کے امام ہیں۔ فقیہہ مکہ اور شیخ الحرم کے لقب سے موصوف تھے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ ابن المنذر کی امامت فن اور جلالت

علم پر علماء عصر کا اجماع تھا۔ ان کو علم فقہ و حدیث پر کامل عبور حاصل تھا۔ اجماعیات۔ خلافیات اور مذاہب علماء کے عدیم النظیر عالم تھے۔ خود امام نووی نے تصریح کی ہے۔ کہ " میں جو مذاہب علماء نقل کرتا ہوں وہ اکثر ابن المنذر ؒ کی کتاب " الاشراف " اور " الاجماع " سے ماخوذ ہیں اور اس فن میں وہی مقتدا ہیں (المجموع۔ ج ۱ ص ۱۹)

امام ابن الہمام فرماتے ہیں :-

والذین یعتمد علی نقلھم و تحریرھم مثل ابن المنذر، وکذلک ذکروا، فحکی ابن المنذر عنھما ای عن ابن الحسن و ابی یوسف "	جن حضرات کی نقل و تحریر پر اعتماد کیا جاسکتا ہے ، مثلاً ابن المنذر ؒ۔ انہوں نے اس طرح کیا ہے۔ چنانچہ ابن المنذر نے ان دونوں حضرات (صاحبین ؒ) سے نقل کیا ہے ۔

(فتح القدیر ج ۵ ص ۲۶۰)

اجماعیات اور اہل علم کے اختلافات اور مذاہب علماء پر ان کی متعدد کتابیں معروف ہیں۔ کتاب کے مقدمہ میں ان کی تعداد اٹھارہ بتائی گئی ہے جن میں کتاب السنن والاجماع والاختلاف ۔ اجماع الامہ ، الاقتصاد فی الاجماع و الخلاف ، اختلاف العلماء ، المبسوط ، الاوسط (یہ المبسوط کا اختصار ہے ۔) الاشراف (یہ الاوسط کا اختصار ہے) معروف ہیں الاجماع میں ابن المنذر نے اجماعی مسائل ذکر کئے ہیں۔ اور اگر کہیں کسی ایک مسئلہ میں کسی فقیہ نے اختلاف کیا ہو۔ تو مصنف اس قول کو اجماع کے مقابلہ میں قول شاذ کی حیثیت سے ذکر کرتے ہیں۔ جس سے یہ واضح طور پر معلوم ہوجاتا ہے کہ ان کے نزدیک جمہور کے مقابلہ میں کسی کا ایک آدھ قول ہونا ، اجماع کے لئے مضر نہیں۔ کتاب کی تحقیق و مقدمہ اور تخریج کا کام شیخ ابو حماد صغیر احمد بن محمد حنیف نے انجام دیا ہے۔ تحشیہ محققانہ اور مقدمہ وقیع ہے۔

کتاب کے آخر میں آیات اور احادیث کے ساتھ ساتھ اماکن، غرائب خلافیات اور اجماعیات کے اشاریے بھی شامل کر دئے گئے ہیں۔ جس سے کتاب کی افادیت دوبالا ہوگئی ہے۔ مولانا احتشام الحق آسیا آبادی نے بڑی محنت اور حسن ذوق سے طباعت و اشاعت کا مرحلہ سرانجام دیا ہے۔ یقیناً اہل علم اور تحقیق و ریسرچ کے حلقے اس کی قدر کریں گے۔ اور اگر باذوق اساتذہ، اپنے لائق تلامذہ کو باقاعدہ پڑھادیں تو موجودہ تشکیک والحاد کے دور میں اس کی نافعیت بھی دوبالا ہو جائے گی۔

علامہ اقبال کی کردار کشی | تالیف ۔ منشی عبدالرحمن خان ۔ صفحات ۸۰ قیمت ۳۰ روپے

پتہ ۔ جاوید اکیڈمی جہلیک ۔ ملتان

منشی عبدالرحمن خان ، ملک کے معروف مصنف، دسیوں اصلاحی اور ادبی کتابوں کے مؤلف ہیں ان کی تحریر میں

واقعیت، سادگی، شستگی، حقیقت اور دعوت واصلاح کی انگیخت پائی جاتی ہے۔ پیش نظر کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک مفید کڑی ہے۔

اقبال مرحوم عظیم مذہبی سکالر اور مفکر تھے۔ لیکن بہرحال انسان تھے۔ نسیان اور خطا انسان کا لازمہ ہے۔ ان کی بشری کمزوریوں یا بعض تحریروں سے اسلام کے مسلم عقائد سے لغزشوں کے باوجود ان کی خوبیاں، فکر اور قومی وملّی شعور کی بیداری کی تحریک میں ان کا بھرپور حصہ ہے۔ اقبال مرحوم کی کردار کشی کسی پاکستانی کیا؟ کسی ایک مسلم کو بھی زیب نہیں دیتی۔ ویسے بھی مسلمان محترم ہے اور جب اقبال عظیم ہو تو مفت میں قبریں اکھیڑنا اور گناہ بے لذت میں اپنے وقت اور قلمی صلاحیتوں کو گنوانا ہرگز مفید نہیں۔

جناب منشی عبدالرحمن خان نے پیش نظر کتاب میں اقبال مرحوم کی کردار کشی کرنے والوں کا بھرپور تعاقب کیا ہے واقعات اور دلائل کی روشنی میں بعض اہم تاریخی پس منظر بھی منظر عام پر آ گئے ہیں۔ شرعی نقطہ نگاہ سے تصویر بہر حال ممنوع ہے۔ اگر اس سے بھی احتراز کیا جاتا تو معنویت اور روحانیت کے برکات وثمرات بھی حاصل رہتے۔

خارجی فتنہ حصہ دوم	تالیف: مولانا قاضی مظہر حسین صاحب صفحات ٦٨٠ قیمت ٣٩ روپے پتہ: تحریک خدّام اہلسنت۔ مدنی مسجد چکوال

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ کی ردّ روافض میں تحریری خدمات اور عملی اقدامات سے شاید ہی کوئی ملکی باشندہ بے خبر ہو۔ تحریر میں تفہیم اور سلاست اور مذہب اہلسنّت کی ترجمانی میں اکابر علماء سنت کے مسلک اعتدال پر استقامت سے قائم ہیں۔ یہی وہ وصف ہے جس نے موصوف کی دینی خدمات اور گراں قدر تالیفات کو قبول عام بخشا ہے۔

خارجی فتنہ (حصہ دوم) بھی اسی سلسلہ کی مساعی محمودہ کی ایک کڑی ہے۔ اس سے پہلے حصہ پر مفصل تبصرہ اس سے قبل کیا جا چکا ہے۔ حصہ دوم میں "بحث فسق یزید" علمی، تحقیقی اور باحوالہ مفصل طور پر لکھی گئی ہے۔ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے احباب واقعاتی حقیقت اور راہِ اعتدال تک پہنچنے میں خارجی فتنہ حصہ دوم سے بے نیاز نہیں رہ سکتے۔ خدا کرے اس سے بھی مسلمان بھرپور مستفید ہو سکیں۔

ایگل
ایک عالمگیر قلم
خوشخط رواں اور دیرپا۔
اسٹیل کے سفید اریڈیم ٹپڈ نب کے ساتھ
EAGLE
EAGLE IRIDIUM
ہر جگہ دستیاب
آزاد فرینڈز اینڈ کمپنی (پرائیویٹ) لمیٹڈ
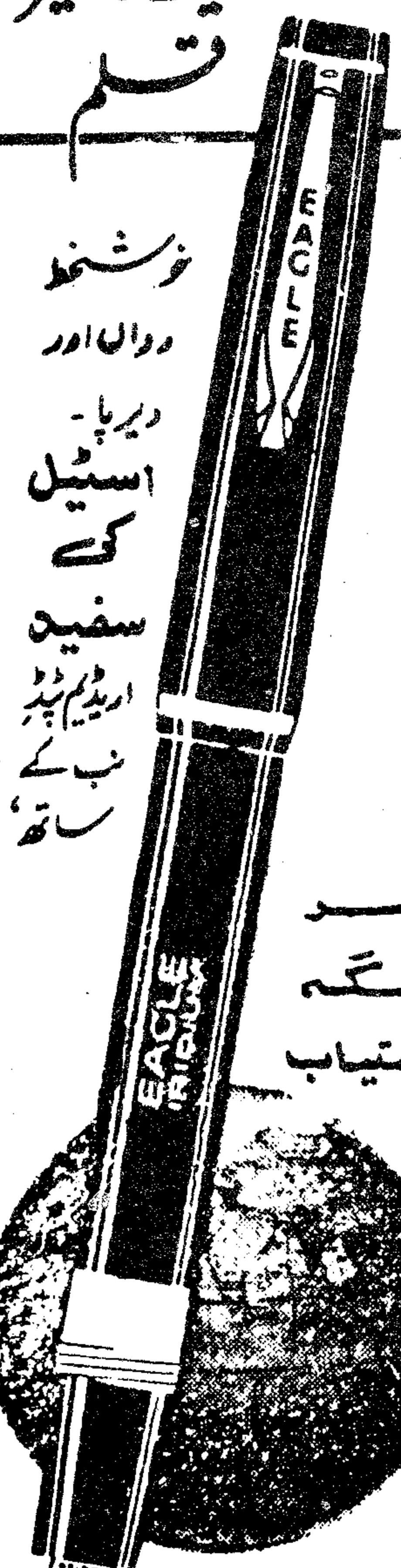
دلکش
دلنشیں
دلفریب
حسین کے پارچہ جات
حسین کے خوبصورت پارچہ جات نہ صرف آنکھوں کو بھلے لگتے ہیں بلکہ آپ کی شخصیت کو بھی نکھارتے ہیں۔ خواتین ہوں یا
مرد دونوں کے ملبوسات کیلئے موزوں۔ حسین کے پارچہ جات شہر کی ہر بڑی دکان پر دستیاب ہیں۔
FABRICS
خوش پوشی کے پیش رو
حسین ٹیکسٹائل ملز
حسین انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی
جوبلی انشورنس ہاؤس آئی آئی چندریگر روڈ کراچی
کا ایک ڈویژن

پاکستان کا نمبر 1 بائیسکل
SOHRAB
سہراب

اپنی جہاز راں کمپنی

پی این ایس سی

کے

جہاز

سے مال بھیجئے

بروقت - محفوظ - باکفایت

پی - این - ایس - سی برّاعظموں کو ملاتی ہے - عالمی منڈیوں کو آپ کے قریب لے آتی ہے - آپ کے مال کی بروقت، محفوظ اور باکفایت ترسیل برآمدکنندگان اور درآمدکنندگان، دونوں کے لئے نئے مواقع فراہم کرتی ہے۔

پی - این - ایس - سی قومی پرچم بردار - پیشہ ورانہ مہارت کا حامل جہاز راں ادارہ، ساتوں سمندروں میں رواں دواں

قومی پرچم بردار جہاز راں ادارے کے ذریعہ مال کی ترسیل کیجئے

پاکستان نیشنل
شپنگ کارپوریشن
قومی پرچم بردار جہاز راں ادارہ

PNSC 2 88 PID - Islamabad

PARAGON

REGD. NO. P. 90

AL-HAQ

فرمان رسول ﷺ
حضرت علی بن ابی طالب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا